ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

26

www.tanzeem.org

26 جون تا 02 جولائی 2012ء/05 تا 11 شعبان 1433ھ

اس شمارے میں

خس کم ہنوز جہاں ناپاک

قرآن کو اپنے باطن میں اُتار دو

جمہوریت، فوج اور انقلاب

اِسراء اور معراج

ڈاکٹر ارسلان کیس اور میڈیا کی قلابازیاں

اقبال اور وطنیت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

غداری میں آگے کون؟

تنظیم اسلامی کی دعوتی تربیتی سرگرمیاں

حسن وزیبائی کی بخشش ونعمت

ہم زندگی کی بناوٹی اور خودساختہ آسائشوں میں اس درجہ مُنہمک ہوگئے ہیں کہ ہمیں قدرتی راحتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اور بسا اوقات تو ہم اُن کی قدر و قیمت کے اعتراف سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر چند لمحوں کے لیے اپنے آپ کو اس غفلت سے بیدار کر لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کائناتِ ہستی کا حسن و جمال فطرت کی ایک عظیم اور بے پایاں بخشش ہے، اور اگر یہ نہ ہوتی یا ہم میں اس کا احساس نہ ہوتا، تو زندگی، زندگی نہ ہوتی نہیں معلوم کیا چیز ہوتی۔ ممکن ہے موت کی بدحالیوں کا ایک تسلسل ہوتا!

ایک لمحہ کے لیے تصور کیجئے کہ دنیا موجود ہے، مگر حسن وزیبائی کے تمام جلوؤں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پرور نیلگونی نہیں ہے۔ ستارے ہیں مگر اُن کی درخشندگی و جہاں تابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے۔ درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے۔ پھول ہیں مگر بغیر رنگ و بُو کے۔ اشیاء کا اعتدال، اجسام کا تناسب، صداؤں کا ترنم، روشنی و رنگت کی بُوقلمونی، اِن میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی یا یوں کہا جائے کہ ہم میں ان کا احساس نہیں ہے۔ غور کریں، ایک ایسی دُنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کتنا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے؟ ایسی زندگی، جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو، نہ حسن کی جلوہ آرائی، نہ نگاہ کے لیے سرور ہو، نہ سامعہ کے لیے حلاوت، نہ جذبات کی رقت ہو، نہ محسوسات کی لطافت، یقیناً عذاب و جانکاہی کی ایک ایسی حالت ہوتی، جس کا تصور بھی ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے!

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی، اُس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت یعنی حسن وزیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے۔ اُس نے ایک ہاتھ سے ہمیں حسن کا احساس دیا، دوسرے ہاتھ سے تمام دُنیا کو جلوۂ حسن بنا دیا۔ یہی حقیقت ہے جو ہمیں رحمت کی موجودگی کا یقین دلاتی ہے۔ اگر پردۂ ہستی کے پیچھے صرف خالقیت ہی ہوتی، رحمت نہ ہوتی۔ یعنی پیدا کرنے یا پیدا ہو جانے کی قوت ہوتی، مگر افادہ و فیضان کا ارادہ نہ ہوتا، تو یقیناً کائناتِ ہستی میں فطرت کے فضل و احسان کا یہ عالمگیر مظاہرہ بھی نہ ہوتا!

خُدا کی ہستی

مولانا ابوالکلام آزاد

الہدیٰ (519)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ ہود

(آیات: 114 تا 117)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۚ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

’’اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ان کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔ اور صبر کئے رہو کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا تو جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی کرنے سے روکتے ہاں (ایسے) تھوڑے سے تھے جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی اور جو ظالم تھے وہ انہی باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جبکہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں ازراہِ ظلم تباہ کر دے۔‘‘

یہاں بظاہر روئے سخن رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ چنانچہ صیغہ واحد حاضر آیا ہے۔ مگر آپؐ کی وساطت سے خطاب تمام مسلمانوں سے ہے کہ نماز قائم رکھیں دن کے دونوں اطراف یعنی فجر کو بھی اور مغرب یا عصر کو بھی۔ ’’دن کے دو طرف‘‘ تو فجر اور عصر کی نمازیں شمار ہوں گی اور ’’کچھ ٹکڑے رات کے میں‘‘ ہم مغرب اور عشاء کو بھی شمار کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جب پانچ نمازوں کا نظام پورے طور پر قائم نہ ہوا تھا۔ پانچ نمازیں تو 11 نبوی میں معراج کے موقع پر مقرر ہوئیں، ورنہ پورے مکی دور میں بلکہ صحیح تر الفاظ میں ساڑھے دس برس تک نماز کا نظام ایسا ہی تھا۔ یہ بات سورۃ بنی اسرائیل میں آ جائے گی۔ اس آیت میں ایک بات یہ بھی بتا دی کہ یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ قرآن یاد دہانی ہے مگر اُن لوگوں کے لئے جو یاد رکھنے والے ہیں۔ آگے آپؐ کو بایں الفاظ صبر کی تلقین فرمائی اور صبر کیجئے‘ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

سابقہ امتوں میں فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے عمومی غفلت کے بارے میں فرمایا کہ گزری ہوئی امتوں میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو اپنی اپنی قوموں کو زمین میں فساد مچانے سے روکتے۔ اگر ان میں ایسے لوگ تھے بھی تو بہت تھوڑے۔ ان لوگوں کو ہم نے عذاب سے بچا لیا۔ وہ لوگ نہی عن المنکر کرتے رہے، کفر اور شرک سے لوگوں کو روکتے رہے، اس بنا پر عذاب عام سے بچا لئے گئے۔ یہ بات قرآن مجید میں بار بار آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بچا لیتا تھا۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو گناہ کی روش اختیار کرتے اور انہی چیزوں کی پیروی کرتے تھے جن میں کہ انہیں عیش و عشرت کا سامان دیا گیا تھا تو یقیناً وہ ایسے مجرمین کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا تھا۔

اس آیت میں واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ یونہی لوگوں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ عذاب تب نازل ہوتا ہے جب معصیت اور نافرمانی کا سلسلہ حد سے بڑھ جاتا ہے۔ فرمایا: آپ کا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرنے والا نہیں ہے، جبکہ وہاں کے رہنے والے لوگ صالح یعنی اچھے کردار کے مالک ہوں۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

کھانے کی موجودگی میں نماز

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ :

((لَاصَلٰوةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ، وَلَاوَهُوَ یُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ)) (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ’’کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہے، اور نہ نماز دو خبیث تقاضوں (بول و براز) کی حالت میں ہوتی ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ بھوک ہو اور کھانا سامنے آ جائے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح بول و براز کی حاجت کے وقت بھی نماز مکروہ ہے۔ آدمی پہلے کھانے کھائے یا بول و براز سے فراغت پائے‘ پھر اطمینان سے نماز پڑھے‘ کیونکہ جب تک یکسوئی اور حضوری قلب نہ ہو‘ عبادت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایوب بیگ مرزا

خس کم ہنوز جہاں ناپاک

فارسی کا ایک محاورہ ہے ''خس کم جہاں پاک'' لیکن اس تحریر کا عنوان باندھتے ہوئے ہم نے جس طرح اسے بگاڑا ہے یعنی خس کم ہنوز جہاں ناپاک، اس پر فارسی اور اچھی اردو سے شغف رکھنے والے حضرات سے ہم معذرت خواہ ہیں، لیکن نیم خواندہ قسم کے لوگوں کی طرف سے ہم پر یہ اعتراض وارد ہوتا رہتا ہے کہ ہم بعض اوقات ملی جلی اردو فارسی لکھتے ہیں جس سے ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ ہم چونکہ خود بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کا اطمینان بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ ''خس'' کے لغوی معنی ہیں سوکھی ہوئی گھاس جسے گھاس پھوس بھی کہا جاتا ہے۔ جب کوئی باغبان زمین کو اس سے پاک کر دیتا ہے تو وہ روئیدگی کے حوالہ سے پاک ہو جاتی ہے۔ فارسی کا یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی نالائق یا نکما شخص جو خیر کی بجائے شر کا باعث بن رہا ہو، کہیں چلا جائے، غائب ہو جائے یا انتقال کر جائے تو کہا جاتا ہے ''خس کم جہاں پاک'' اور ہم نے ''خس کم ہنوز جہاں ناپاک'' تحریر کر کے جو تصرف کیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم اس مظلوم، محروم اور قابل رحم قوم کو بتانا چاہتے ہیں کہ ایک کرپٹ اور نااہل وزیراعظم کی رخصتی سے خس یقیناً کم ہوا ہے، لیکن ابھی جہاں پاک نہیں ہوا۔ خس نے چمن کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ مکمل صفائی ابھی بہت دور کی بات لگتی ہے۔ اسے تو ہم بمشکل آغاز کہہ سکتے ہیں۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ دل کی بات کہیں تو حقیقت یہ ہے کہ ملک کیا ہے خس کا ایک ڈھیر ہے۔

گیلانی صاحب بڑی مشکل سے ایوانِ اقتدار سے نکلے ہیں بلکہ صحیح تر الفاظ میں نکالے گئے ہیں۔ اقتدار سے چمٹے رہنے کی خواہش نے انہیں بہت رسوا کیا اور وہ کوچۂ اقتدار سے بڑے بے آبرو ہو کر نکلے ہیں۔ ان کی چار سالہ حکمرانی نے عوام کو مہنگائی اور لوڈشیڈنگ کے سوا کچھ نہیں دیا۔ وہ خوش شکل تھے، اُجلے سوٹ پہنتے تھے، لیکن ان کا اندازِ حکمرانی انتہائی بدصورت تھا۔ انہوں نے داخلی سطح پر قوم کو اندھیروں میں دھکیل دیا اور خارجی سطح پر پاکستان کی ذلت و رسوائی میں اضافے کا باعث بنے۔ ہمارا ماضی گواہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ چلے جانے والوں کو برا بھلا کہا جائے یا سارا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے، لیکن اندازہ کیجیے کہ ہم اُس حکمران پر کن الفاظ میں تبصرہ کریں جس کے ملک کی خودمختاری اور آزادی کو ایک دوسرا ملک بُری طرح روند ڈالے اور اپنے کسی دشمن کو ہلاک کر دے اور وہ حکمران اسے عظیم فتح قرار دے۔ ہماری مراد اور ہمارا اشارہ ایبٹ آباد پر امریکی ہیلی کاپٹروں کے حملے کی طرف ہے۔ وہ کیسی بدقسمت قوم ہوگی اور وہ کتنا بدبخت حکمران ہوگا جو کسی دوسری قوت کو یہ پیغام دے کہ تم ڈرون حملے یا کسی بھی قسم کے حملے کرتے رہو، ہم عوامی سطح پر اور اسمبلی میں اس کی مذمت کرتے رہیں گے، لیکن آپ کے کام میں مزاحم نہیں ہوں گے۔ کسی حکمران کا ظاہری جسم کتنا ہی خوبصورت اور اس کی جِلد کتنی ہی گوری کیوں نہ ہو، لیکن اس کا باطن اگر اس قدر سیاہ ہو اور وہ بیت المال پر دن دہاڑے ڈاکہ زنی کرتا ہو، کسی سپر قوت کو اپنے عوام کا خون بطور تاوان ادا کرتا ہو اور اُس کے اہل خانہ قومی خزانے کو یوں لوٹ رہے ہوں جیسے غیر مہذب اور وحشی فوج مفتوح علاقے کو لوٹتی ہے تو ہم ایسے حکمران کی رخصتی پر رنجیدہ کیوں ہوں۔ ہاں ہم رنجیدہ ہیں مگر اس بات پر کہ مستقبل قریب میں ہمیں اندازِ حکمرانی بدلتا نظر نہیں آتا۔ کرپشن کیسے اور کیوں ختم ہوگی؟ لوڈشیڈنگ اور مہنگائی سے کیسے جان چھوٹے گی؟ اس لیے کہ گدی نشین تو جا رہا ہے، لیکن شنید ہے کہ کرپشن کا راجہ آ رہا ہے اور بڑی دھوم دھام سے بارات لے کر آ رہا ہے اور منکر کی

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

26 ن تا 02 جولائی 2012ء جلد 21
05 تا 11 شعبان 1433ھ شمارہ 26

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

معراج سے وصل کی خواہش لیے آ رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں سرمایہ دارانہ نظام مغربی جمہوریت کو ڈھال بنا کر اپنے عزائم کی تکمیل کر رہا ہے۔ وہاں عوام کی اکثریت ایک گھوڑے کی مانند سرمایہ داری کے تانگہ میں جتی ہوتی ہے، لیکن وہاں کا تانگہ بان سمجھتا ہے کہ ارتکازِ دولت کے لیے اور اپنے اقتدار و کنٹرول کو مضبوط، مستحکم بلکہ دائمی بنانے کے لیے اس جتے ہوئے گھوڑے (یعنی عوام کی اکثریت) کو زندہ ہی نہیں اتنا توانا بھی رکھنا ہوگا کہ ہمارا کام محنت و مشقت بلکہ کسی حد تک خوش دلی سے کر سکے۔ وہ مرغی کو ذبح نہیں کرنا چاہتے، وہ اس کے انڈے کھانا چاہتے ہیں۔ مغرب کا سرمایہ دار اپنے ابلیسی عزائم کی تکمیل میں کچھ اصول وضوابط کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ باطل پر کچھ نہ کچھ حق کا رنگ نہ چڑھایا تو اس کی اصلیت جلد سامنے آ جائے گی۔ ہمارا ایمان ہے کہ حقیقت اور اصلیت تو پھر بھی سامنے آ جائے گی لیکن اس عیاری اور شعبدہ بازی سے وہ کچھ عرصہ تک عوام کی اکثریت کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہمیں بہرحال پاکستان سے مطلب ہے اور پاکستان کا سرمایہ دار، وڈیرہ اور جاگیردار تو کُند چھری سے اپنی مرغی کو ذبح کرنے پر تلا ہوا ہے۔

لہٰذا ہمارا سوال یہاں کی سیاسی وغیر سیاسی مذہبی جماعتوں اور مخلص افراد سے یہ ہے کہ کیا یہ سارا تماشا دیکھ کر اور گاؤ اور خر کی آمد و رفت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر کے بھی وہ کسی حقیقی تبدیلی کی امید لگائے ہوئے ہیں۔ کیا اب بھی سوچ یہی ہے کہ democratic process یعنی جمہوری لائحہ عمل اختیار کرنے سے پاکستان میں انقلاب آ جائے گا؟ کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں؟ کیا کسی حادثے اور سانحہ کا انتظار کیا جا رہا ہے کہ یہ حقیقت آشکار ہو کہ تبدیلی کے لیے انقلاب ناگزیر ہے۔ جمہوری لائحہ عمل سے تو کوئی راجہ، کوئی مخدوم، کوئی شریف، کوئی چودھری سٹیٹس کو کے دوام کے لیے آئے گا۔ نعروں میں تو اختلاف ہوگا مگر عزائم اور ہدف یقیناً ایک جیسے ہوں گے۔ ہم کتنا عرصہ خود فریبی میں مبتلا رہیں گے؟ کب تک حقیقت سے آنکھیں چرائیں گے؟ کسی زمانے میں ہم نے سافٹ انقلاب کے لیے اپنے دل اور دماغ میں زبردستی جگہ پیدا کرنے کی کوشش تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ ہم بہت زیادہ rigiditg کا مظاہرہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اسلام کے نفاذ سے غرض ہے۔ اپنے منہج ہی کو درست ثابت کرنا مقصود نہیں ہے۔ اگر کسی دوسرے ذریعے سے (یعنی سافٹ انقلاب وغیرہ سے) حقیقی اسلام کا نفاذ ہو جائے تو ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم آم کھانے سے غرض رکھتے ہیں، پیڑ گننے سے نہیں۔ لیکن جو صورت حال اب سامنے آ رہی ہے اور حالات کا رخ جو سمت اختیار کر رہا ہے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام صرف منہج انقلاب نبویؐ کی پیروی میں ہی ممکن ہے اور یہ اب کوئی کہنے والی بات نہیں رہ گئی، بلکہ نوشتۂ دیوار ہے اور اندھوں پر بھی واضح ہو رہا ہے کہ پاکستان کا مستقبل صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے، پاکستان کا آج بھی مطلب لا الٰہ الا اللہ ہے۔ وگرنہ پاکستان بے مطلب اور بے مقصد ہو جاتا ہے اور قدرت کے کارخانے میں بے مقصد چیزوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆☆☆

بیابہ مجلس اسرار

قرآن کو اپنے باطن میں اتارو

تربیتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نظام کی سب سے اہم اور اوّلین شق قرآن کو زیادہ سے زیادہ ٹھونک ٹھونک کر اپنے ذہن وقلب میں اتارنا ہے۔ ذہن کی گتھیوں کو سلجھانے، آئینہ قلب کو صیقل کرنے، ایک بندۂ مومن کے باطن کے نور کو اُجاگر کرنے اور اس میں ایک تازہ ولولہ اور جوشِ عمل پیدا کرنے کے لیے قرآن حکیم سے زیادہ مؤثر شے اور کوئی نہیں ہے۔ یہ کتاب مبین ہے، جو ﴿تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧﴾(ق) بن کر نازل ہوئی ہے۔ یعنی ”سیدھی راہ دکھانے والی اور یاددہانی ہر اُس بندے کے لیے جو اللہ کی طرف رجوع کرے۔“

اسی بات کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یعنی یہ قرآن اگر کسی کے ذہن میں اتر جائے گا اور اس کے دل میں رچ بس جائے گا تو اس کے باطن میں ایک انقلاب برپا ہو جائے گا اور اس کی شخصیت بدل جائے گی۔ اور جب اندر انقلاب آئے گا تو یہ بالآخر ایک عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ پھر علامہ نے یہ بھی کہا کہ اپنے نفس کے تزکیہ کے لیے بھی اس قرآن سے زیادہ مؤثر شے اور کوئی نہیں ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است — زانکہ اُو گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی! — کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!!

یعنی ابلیس کو قتل کر دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو انسان کے دل پر جا کر گھات لگاتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ)) ”یقیناً شیطان انسان کے جسم میں خون کی مانند دوڑتا ہے“۔ پس جو زہر پورے جسم میں سرایت کر گیا ہو، اس کے لیے تریاق بھی وہ درکار ہے جو پورے وجود میں سرایت کر جائے اور وہ تریاق صرف قرآنی ہے۔ اس کو اپنے باطن میں اتارو۔ اس کو اتارنے کا عمل یہ ہے کہ اسے بار بار پڑھو، اسے hammer کرو، اسے ٹھونک ٹھونک کر اپنے اندر اتارو۔ یہ نہیں کہ ایک بار پڑھا اور سمجھ لیا، بلکہ اس کو پڑھتے رہو۔ اس طریقہ سے یہ قرآن رفتہ رفتہ انسان کے وجود میں سرایت کرتا ہے۔

(بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتاب ”منہج انقلاب نبویؐ“ سے ایک اقتباس)

جمہوریت،فوج اور انقلاب؟

رفیق چوہدری

مریض کی حالت انتہائی سیریس تھی۔ وہ کربناک حالت میں تڑپ رہا تھا اور اس کے ساتھ آئے عزیز واقارب سخت بے چین تھے کہ کب شہر کی مرکزی شاہراہ کھلے اور وہ اپنے مریض کو لے کر جلداز جلد ہسپتال پہنچیں۔ سڑک پر گاڑیوں کی لمبی قطاروں میں ملازمین، اساتذہ، کالجز ویونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات، سکولوں کے بچے اور گھر کا چولہا ٹھنڈا ہونے سے بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے والے غریب مزدور سب کے سب مضطرب تھے ،مگر شاہراہ پر ناکہ بندی سب کا راستہ روکے ہوئے تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی اذیت کے بعد شاہراہ پر ایک بے ہنگم سا ہجوم نما جلوس برآمد ہوا۔ شرکاء میں سے کچھ نے حکومت وقت کے خلاف زہر اُگلتے پلے کارڈ اور بینرز اٹھا رکھے تھے۔ ایک شخص بکھرے بالوں اور چاک گریبان کے ساتھ گلے پر جبراً زور آزمائی کرتے ہوئے نعرے لگا رہا تھا اور جواب میں چندلوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر انتہائی پژمردگی کے ساتھ ''انقلاب انقلاب'' کی صدائیں دے رہے تھے۔ ان کے چہرے مہرے کے تاثرات اور چال ڈھال سے مایوسی ، بے بسی، اضطراب اور حسرت صاف جھلک رہی تھی ، جیسے انہیں خود بھی یقین نہ ہو کہ وہ کیا کہے جا رہے ہیں اور کیا وہ انقلاب کبھی آئے گا بھی یا نہیں۔

درد سے بلبلاتے مریض کی آہ وبکا انقلاب کے ان کھوکھلے نعروں میں دب چکی تھی اور گاڑیوں میں ''پھنسے'' لوگ اپنا غصہ حکومت مخالف ''مغلظات'' کی صورت میں نکال کر ریلی کے شرکاء پر سبقت لے جا رہے تھے۔ بعض میں ''جرح'' کا باقاعدہ آغاز ہو چلا تھا ''سب لٹیرے، چور اور ڈاکو بیٹھے ہوئے ہیں، کسی کو عوام کا خیال نہیں ہے۔'' کوئی کہہ رہا تھا ''اپنی تجوریاں بھرنے سے فرصت ملے تو عوام کا سوچیں۔'' پھر ایک بزرگ یوں گویا ہوئے ''اس ملک کے لیے صرف فوج ہی فوج ہے۔ بے شک ترقیاتی کام نہ بھی ہوں لیکن وزراء کی اس فوج ظفر موج کی لوٹ کھسوٹ اور کرپشن سے تو کم از کم ملک بچ جاتا ہے۔ مہنگائی اس قدر تیزی سے تو نہیں بڑھتی۔ لوگ فاقوں سے خودکشیاں اور خودسوزیاں تو نہیں کرتے۔'' ان تبصروں سے عاری میں سوچ رہا تھا کہ کاش! اس ملک کے عوام کو حقیقتِ حال کا پتہ چل جائے اور اس اہم ''قومی راز'' کو ہر کوئی جان لے جو اس ملک پر قابض جاگیرداروں، سرمایہ داروں، مخدوموں، گدی نشینوں، وڈیروں اور بڑے سیاسی پنڈتوں کے پاس ''اسم اعظم'' کے طور پر محفوظ ہے تو شاید کوئی بھی آئندہ ''جمہوری انقلاب'' کبھی عوامی انقلاب اور کبھی فوجی انقلاب کے دھوکے میں نہ آئے۔ مگر افسوس ۔۔ کس طرح اس ملک پر قابض غاصب اور اجارہ دار حکمران ٹولہ نے عوام کو جہالت کے اندھیروں میں دھکیل کر خود اور استعماری طاقتوں کے ذریعے ان کا بدترین استحصال بعدازاستعمال جاری رکھا ہوا ہے۔

آج جو لوگ حکومت مخالف نعرے لگا کر اپنی مظلومیت اور بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں کل یہی لوگ تھے جو الیکشن مہم کے دوران انہی نمائندوں کی تعریفوں کے پل باندھ کر انہیں فرشتہ ثابت کر رہے تھے۔ اس سے قبل بھی یہی لوگ تھے جو پرویز مشرف کے ڈاکہ ڈالنے پر مٹھائیاں تقسیم کر رہے تھے اور کئی خوشی سے رقصاں تھے۔ فائدہ بالآخر کس کو ہوا؟ کسی نے سوچا اور نہ سبق حاصل کیا۔ مانا کہ فوجی دور میں عوام کو کسی قدر ریلیف ملا، لوٹ مار اور کرپشن سے محفوظ رہتے ہوئے ملکی وقومی خزانہ میں اضافہ ہوا مگر اس ڈکٹیٹرشپ نے ملک کی بقا وسلامتی کو سخت خطرے میں ڈال دیا۔ ملک کی نظریاتی بنیادوں پر تیشہ چلایا۔ پھر ڈکٹیٹرشپ کے منحوس سایے تلے پلتا ہوا جمہوری طوفان سب کچھ بہالے جانے کے لیے پوری طرح منصوبہ بند رہا۔ عوام کی رگوں سے خون کی جو رمق باقی تھی نچوڑ ڈالی گئی۔ جمہوریت کے نام پر دونوں ہاتھوں سے ملک اور قوم کو بے دریغ لوٹا گیا اور جب عوام میں فاقوں اور خودکشیوں کی نوبت آ گئی تو دوبارہ قوم کو جمہوری دلاسوں اور انقلابی لاروں کے ساتھ فوجی حکومت کے خلاف صف آراء کر کے ملک وقوم کو لوٹنے کا نیا ڈھونگ رچایا گیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا فوجی حکومت سے عوام کے مسائل حل ہو گئے یا کیا نئی جمہوری حکومت آنے سے خوشحالی آ گئی؟ موجودہ حکومتی کارپردازوں نے تو رہی سہی کسر نکال دی۔ وزارتوں اور عہدوں کی آڑ میں سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ قومی ترقی اور خوشحالی کے نام پر دوبارہ بیرونی قرضے لے کر سیاسی پارٹیوں کو سنوارنے، ذاتی آسائشوں، بیرون ملک پراپرٹیز اور بنک اکاؤنٹس کا حجم بڑھانے پر صرف کر ڈالے گئے اور پھر ان قرضوں کی واپسی کے نام پر مہنگائی اور اضافی ٹیکس کے ذریعے عوام کے منہ کا نوالہ بھی چھین لیا گیا۔

65 سال سے اس ملک کے لیے قربانیاں دینے والے غریب عوام کے ساتھ یہی بھیانک کھیل جاری ہے، کبھی ''جمہوری انقلاب'' کے نام پر اور کبھی فوجی حکومت کے عنوان سے۔ اس میں استحصال صرف غریب عوام کا ہوا ہے۔ صرف ایک الیکشن والے دن عوام کو بھیڑ بکریوں کی مانند ہانک کر پولنگ اسٹیشن پر لے جایا گیا اور پھر حکومت میں نمائندگی تو دور کی بات، ان سے ان کے پیدائشی حقوق بھی چھین لیے گئے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک طرف شوروغوغا بلند ہوا۔ پتہ چلا کہ مریض ''انقلابی جلوس'' کے اختتام سے قبل ہی گزر گیا اور اب اس کے لواحقین تاخیر پر انتظامیہ کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ قریب ہی سائرن کی آواز سے ظاہر تھا کہ پولیس میت کو ہجوم سے نکال لے جانے کے لیے ''موقع'' پر پہنچ چکی ہے۔ اگر یہی اہتمام پہلے کیا جاتا تو شاید ایک انسان کی جان بچ سکتی تھی لیکن اس طبقہ کے انسان کے حصہ میں تو صرف وڈیروں، جاگیرداروں، مخدوموں اور گدی نشینوں کے لیے نعرے لگانا، جلسے جلوس میں بھیڑ بڑھانا، انتخاب والے دن ٹھپہ لگا کر ان کو اسمبلیوں میں پہنچانا اور اس کے بعد اپنے پیدائشی حقوق کے لیے سڑکوں پر تڑپ تڑپ کر جان دینا، غربت، افلاس اور فاقوں سے تنگ آ کر خودکشیاں اور خودسوزیاں کرنا لکھا ہے۔ حتیٰ کہ یہاں ایک غریب ہسپتال کو ترس ترس کر مر گیا اور اس کے ہم

طبقہ ”بھائی بند“ اس کی زندگی کے راستے میں رکاوٹ بن کر پھر بھی نام نہاد ”جمہوری انقلاب“ کے نعرے لگاتے رہے یہ سوچے بغیر کہ ان نعروں سے ”مستفید“ ہو کر جو نئی جمہوری حکومت مسلط ہوگی پس پردہ اس میں بھی وڈیرہ شاہی اور خانقاہی بادشاہت کا ہی راج ہوگا جبکہ

1947ء میں ملک آزاد ہو گیا، مگر غریب عوام کو آزادی نہ مل سکی۔ ان کی نسلیں آج بھی انگریز کے جانشینوں کی غلام ہیں۔ معصوم بچے، خواتین و مرد وڈیروں، جاگیر داروں اور مخدوموں کی نجی جیلوں میں آج بھی سسک رہے ہیں

غریب عوام کی حیثیت پھر بھی نچلے درجے کے شودر و ویش سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ پیدائشی حقوق کے لیے اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے رہیں گے۔

1947ء میں بھی انقلاب آیا، ملک آزاد ہو گیا، مگر غریب عوام کو وہ آزادی نہ مل سکی جس کے لیے انہوں نے اس قدر عظیم اور بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں۔ ان کی نسلیں آج بھی انگریز کے جانشینوں کی غلام ہیں۔ معصوم بچے، خواتین و مرد وڈیروں، جاگیرداروں اور مخدوموں کی نجی جیلوں میں آج بھی سسک رہے ہیں۔ ظلم و ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے جرم کی پاداش میں کوئی وڈیرہ جب چاہے معاشرے کے کسی حق گو بزرگ اُستاد کی ٹانگیں توڑ سکتا ہے اور اس وڈیرہ شاہی و خانقاہی نظام کی نمائندہ کوئی بھی وحیدہ شاہ قانون توڑنے پر سرزنش کے جرم میں کسی لوئر کلاس کی خاتون آفیسر کو سرِ عام مزہ چکھا سکتی ہے۔ 1947ء گزر گیا، اصطلاحیں بدل گئیں، تفریق و تقسیم مگر نہیں بدلی۔ ذات پات، اونچ نیچ اور طبقاتی تقسیم میں ہمارا معاشرہ برہمن اور شودر و ویش دور سے بھی بدترین مثال بن چکا۔ اپر کلاس مخدوم، لوئر کلاس خادم۔ ایک طبقہ ہر قانون، ضابطۂ اخلاق سے بالاتر، مطلق العنان آمر۔ اُسے قوم کی ناتواں رگوں سے لہو نچوڑ نچوڑ کر دنیا بھر میں جاگیریں، آسائشیں بنانے اور شہ خرچیوں سے فرصت نہیں، جبکہ دوسرا اس کی عیاشیوں کے لیے اپنے خون پسینے کی کمائی سے اس کی تجوریاں بھرنے میں نسل در نسل کوہلو کے بیل کی مانند جتا ہوا، مگر اپنے پیدائشی حقوق کے لیے خودکشیاں اور خود سوزیاں کرنے پر مجبور۔۔۔!

1947ء سے قبل اسلام کی پاسداری کی سزا اگر کالا پانی تھی تو گوانتاناموبے حق کے متوالوں کی جائے قرار آج بھی ہے۔ اسلام کی بیٹیاں اور بیٹے ذبح اس وقت بھی ہو رہے تھے۔ منحوس ریمنڈ ڈیوس کی گولیوں اور کہیں ڈرون حملوں کا نشانہ اپنے ہی وطن میں بے گناہ آج بھی ہیں، اور قوم کی مظلوم بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی موذی دشمن کے قبضے میں آج بھی تڑپ رہی ہے۔ انگریز کی غلامی کرنے والے، اسلام سے غداری کے عوض اس وقت بھی انگریز سے مراعات اور جاگیریں لے کر برصغیر کی مسلم قوم کے استحصال میں مصروف تھے اور آزادی کے 65 سال بعد آج بھی وہی لوگ انگریز کے ساتھ مل کر غریب پاکستانی قوم پر اپنا مکروہ تسلط جمائے ہوئے ہیں اور ہمیشہ جمائے رکھیں گے جب تک کہ پاکستانی قوم دوبارہ اسی نظریہ پر مجتمع نہیں ہو جاتی جس کی بنیاد پر اس نے پاکستان حاصل کیا تھا۔ وہی نظریہ، لاالٰہ الااللہ جس کی بنیاد پر آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا میں وہ عظیم انقلاب آیا تھا جس کے بعد امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام، خادم اور مخدوم میں ہر طرح کا فرق مٹ گیا۔ مساوات، اخوت اور بھائی چارہ کی عمدہ مثال قائم ہوئی تھی۔ وہی نظریہ جب یورپ میں پہنچا تو کلیسا کا طلسم پارہ پارہ ہوا اور مذہب کے نام پر راہب کی اجارہ داری سے انسانیت کو آزادی نصیب ہوئی۔ وہی نظریہ جو ہندوستان میں پہنچ کر برہمن کے خود ساختہ کالے قوانین، ذات پات، اونچ نیچ اور چھوت اچھات کے خاتمہ کا باعث بنا۔ اور اب وہی نظریہ جابر و غاصب طبقاتی و خانقاہی نظام کی تفریق و تقسیم، اپر کلاس و لوئر کلاس کے تضاد کو ختم کر کے ہر انسان کو اس کا بنیادی اور پیدائشی حق دلوانے کی فطری صلاحیت رکھتا ہے۔ اب یہ پاکستانی عوام پر ہے کہ وہ نام نہاد جمہوریت، خانقاہی سامراج، سیکولرازم، نیشنل ازم، کمیونزم وغیرہ کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر مزید مسائل کے بوجھ اٹھانے کے لیے تیار رہتے ہیں یا پھر اپنی سلامتی اور فلاح کے ضامن قانونِ فطرت اسلام کے نفاذ کی مخلصانہ جدوجہد کر کے تمام تر مسائل اور مصائب سے چھٹکارا پاتے ہیں — جلد یا بدیر — فیصلہ بہرحال پاکستانی قوم کو کرنا ہے۔

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 3-042-35869501
maktaba@tanzeem.org

اِسراءاورمعراج

چند بنیادی مباحث

حافظ محمد مشتاق ربانی

الإســـراء،اُسریٰ سے مصدر ہے جس کے معنی ابن فارس کے نزدیک "سیر اللیل" یعنی رات کو سفر کرنے کے ہیں۔ جب یہ "ب" کے ذریعہ متعدی ہو جائے تو اس کے معنی رات کو کسی کو کہیں لے جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود ؑ سے فرمایا: ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ﴾ (ھود:81) "پس تو کچھ رات رہے سو اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جاؤ۔" حضرت موسیٰ ؑ کے ذکر میں فرمایا: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ (الشعراء:52) "ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تمہارا پیچھا کیا جائے گا"۔ آنحضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (الاسراء:1) "پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات کے کسی حصہ میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے"۔ اس آیت میں "اَسریٰ" کے ساتھ "لَیلاً" وارد ہوا ہے جس سے یہ اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ (معراج) رات کے کسی خاص حصہ میں وقوع پذیر ہوا۔ یعنی پوری رات میں نہیں بلکہ رات کے ایک خاص حصہ میں سیر کرائی گئی۔ اصطلاح میں الاسراء سے مراد آنجناب ﷺ کا مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا رات کا سفر ہے۔

لفظ معراج عَرَجَ (ن) سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر کی طرف چڑھنے کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾ (المعارج:4) "اُس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھ کر جاتے ہیں"۔ اصطلاح میں آپ ﷺ کا بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور جنۃ الماویٰ تک کا آسمانی سفر معراج کہلاتا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں شدید اختلاف ہے کہ یہ کب ہوا۔ بعض کے نزدیک یہ 10 نبوی کو پیش آیا اور بعض کے نزدیک 12 نبوی کو۔ ان کے علاوہ بھی کئی آراء ہیں۔ طبقات ابن سعد (213/1) کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے 18 ماہ قبل وقوع پذیر ہوا۔

جس طرح واقعہ معراج کے وقوع کے سال کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح اس واقعہ کے اور مباحث بھی مختلف فیہ ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ کیا یہ معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ جسمانی و روحانی تھی۔ یہ رائے رکھنے والوں میں حضرت ابن مسعود ؓ پیش پیش ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ روحانی تھی۔ یہ رائے حضرت عائشہ ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کی ہے۔

ان دونوں آراء کا اثر اس واقعہ کی دیگر تفصیلات پر بھی پڑتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا تھا یا نہیں۔ حضرت عائشہ ؓ اور دیگر صحابہ ؓ کے نزدیک رؤیت باری تعالیٰ نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کہ اللہ نور ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ وہ اپنی اس رائے رکھنے میں ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ (الانعام:103) سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت نقل ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ قَالَ: ((نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ)) "کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا: وہ تو نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھتا"۔ اسی طرح بخاری، مسلم اور ترمذی میں مسروق ؒ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا کہ انہوں نے (مجھ سے) فرمایا: "اے ابوعائشہ (مسروق ؒ کی کنیت) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی ان میں سے کوئی ایک بات بھی کہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا"۔ میں نے کہا: وہ کیا ہیں؟ (حضرت عائشہ ؓ نے) فرمایا: "جس کا یہ خیال ہو کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا"۔ مسروق ؒ کہتے ہیں: میں تکیہ لگائے ہوئے تھا، (یہ سن کر) میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا: ام المومنین! ٹھہریئے، ذرا میری بات تو سنیئے اور جلدی نہ کیجئے، کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا: (ترجمہ) "اور اس نے اس کو روشن افق پر دیکھا ہے"۔ "اور ایک مرتبہ پھر اس نے (سدرۃ المنتہیٰ کے پاس) اس کو اترتے دیکھا"۔ اس پر حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: "اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا: "یہ تو جبریل ؑ (کا ذکر) ہے۔ میں نے ان کو ان کی اصل صورت میں جس پر انھیں پیدا کیا گیا ہے، ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دو مواقع پر) میں نے انھیں آسمان سے نیچے اُترتے دیکھا، اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی"۔ پھر (حضرت عائشہ ؓ نے) فرمایا: "کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ (ترجمہ) "اس کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے"۔ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نہیں سنا؟ "اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اِذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے۔ یقیناً وہ بلند مرتبت اور صاحب حکمت ہے۔"

صحابہ کرام ؓ کے مابین اختلاف کی وجہ اس آیت کی تفہیم ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (بنی اسرائیل:60) ابن مسعود "الرؤیا" سے مراد رؤیا عین (آنکھ سے دیکھنا) لیتے ہیں۔

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات واقعہ معراج کے بارے میں ہیں۔ اس سفر معراج کے موقع پر جو اہل علم رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک سورۃ النجم کی آیات کا مفہوم اور مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

آنحضور ﷺ کو قرآن زبردست قوتوں والے جبریل امین ؑ نے سکھایا۔ جبرئیل ؑ انتہائی قوت و طاقت کے مالک ہیں۔ شیطان اُن کے پاس پھٹک نہیں

سکتا۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کو پہلی مرتبہ آسمان سے اترتے دیکھا کہ اترنے کے بعد وہ افق پر مستوی ہو گئے۔ گویا وہ اول صورت اصلیہ میں افق اعلیٰ پر نمودار ہوئے۔ (آیات:5تا7)

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے قریب آ گئے۔ بہت ہی قریب ہوئے کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ باقی رہ گیا۔ پھر جبرائیل امین نے اللہ کے بندے کو اللہ کی وحی پہنچائی۔ حضور ﷺ نے جب جبرئیل امین علیہ السلام کو دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی یہ اللہ کا فرشتہ جبریل امین علیہ السلام ہی ہے۔ آگے کفار کی بدبختی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کے مشاہدات کا انکار کرتے ہو۔ دیکھو، تم اللہ کے رسول ﷺ کے ایک بار کے مشاہدہ کا انکار کر رہے ہو، حالانکہ انھوں نے تو جبرائیل امین علیہ السلام کو دوبار دیکھا ہے۔ دوسری مرتبہ اُنھوں نے جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا، جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے۔

(آیات:8تا15)

آپ ﷺ کو پہلی روٗیتِ جبریل زمین پر ہوئی اور دوسری روٗیت شب معراج کے موقع پر آسمان پر ہوئی۔ اس وقت انوار و تجلیات نے سدرہ کو ڈھانپ لیا تھا۔ اس حسین وجمیل اور دلآویز منظر کی تصویر کشی کے لیے کسی انسان کے پاس الفاظ نہیں۔ نور و تجلیات کے ان مناظر کو دیکھ کر حضور ﷺ کی نگاہ نہ تو درماندہ ہوئی اور نہ ہی حد سے تجاوز کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (آیات:16،17)

اب دوسرے گروہ کی بیان کردہ تفسیر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے، جو معراج کے موقع پر روٗیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔

زبردست قوتوں والے خالق ارض وسماوات نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو قرآن کی تعلیم سے آراستہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو معراج پر لے جانے کا ارادہ فرمایا تو آنحضور ﷺ افق اعلیٰ تک پہنچے اور پھر مکان کی سرحدوں کو پار کر گئے اور لامکان تک جا پہنچے، اپنے خالق و مالک رب انس و جاں کے قریب چلے گئے۔ خالق دو جہاں نے کرم فرمایا اور اتنا قرب ہوا کہ فاصلہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم رہ گیا۔ اس مقام پر معبود عظیم المرتبت نے اپنے عبد کامل کو وحی کی صورت میں اپنی نوازشات سے مالا مال کر دیا۔ رب دو جہاں کی جن تجلیات کا مشاہدہ حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے کیا تھا دل نے اس کی تصدیق کر دی۔ اے کفار! تم یہ کیا جھگڑا لے بیٹھے کہ یہ دیکھا اور وہ نہ دیکھا، کم دیکھا یا زیادہ دیکھا، دیکھا بھی یا نہ دیکھا، یہ سب بے سود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دکھانے والے خالق کائنات نے جو دکھانا مقصود تھا دکھایا اور دیکھنے والے محبوب رب العالمین نے جو دیکھنا تھا وہ دیکھ لیا اور خوب دل کھول کر اور جی بھر کے دیکھ لیا۔ حضور ﷺ کو رب ارض وسماوات کا دیدار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا، جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس گروہ کے نزدیک یہ روٗیت ایک مرتبہ بصر سے ہوئی اور ایک مرتبہ فواد سے۔ گویا اس گروہ کے نزدیک شدید القوی ذو مرة ،فاستوی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ (دونوں گروہوں کا یہ مذکورہ موٗقف پروفیسر فتح محمد نعیم کی کتاب ''شان خیر الانام فی آیات القرآن'' سے کچھ اضافہ کے ساتھ موخوذ ہے۔)

راقم نے دونوں گروہوں کی آراء قارئین کے مشاہدہ و مطالعہ کے لیے پیش کر دی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی تردید یا قبولیت راقم کے بس کی بات نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان آراء کے بارے میں نہ الجھیں۔ یہ علمی و نظری مسئلہ ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں سلف و خلف میں اختلاف ہے۔ ان نازک معاملات میں توقف اور سکوت ہی بہتر ہے، کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء ہیں۔ کسی رائے کو ترجیح دینا ایک غیر ضروری بات ہے۔ اپنے ذہن میں جو رائے ہو، اس کو منوانے کے لئے زور نہیں لگانا چاہیے۔ ہمیں اس واقعہ سے آپؐ کی عظمت کا مزید معترف ہونا چاہیے، اور اس واقعہ میں جو اسرار اور حکمتیں ہیں ان پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ کیونکہ واقعۂ معراج کے سلسلے میں بعض ایسے امور ہیں جن تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ ہمیں اس محیر العقول واقعہ پر دل و جان سے ایمان لانا چاہیے جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور ''الصدیق'' کے لقب سے نوازے گئے۔

آنحضور ﷺ کو اس غیر معمولی سیر کرانے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے جیسا کہ فرمایا: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ (الاسراء:1) ''تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں''۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝﴾ (النجم:18) ''اُنہوں نے اپنے رب (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔ ان نشانیوں کے دکھلانے سے حاصل یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾ (الانعام:75) ''اور ہم اس طرح ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کا نظام سلطنت دکھاتے تھے، تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔''

اس واقعہ سے مزید جو حکمت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل (الاسراء) کی پہلی آیت میں اِسراء کا واقعہ ذکر کرنے کے فوراً بعد کلام کا رخ یہود کی سیاہ کاریوں اور ان کی تاریخ کی طرف موڑ دیا گیا۔ اور اسراء ہوا بھی بیت المقدس میں، جس سے یہ اشارہ کیا جا رہا ہے کہ یہود کو انسانیت کی قیادت کے منصب سے ہٹا دیا گیا ہے اور یہود کی جگہ یہ منصب اب آنحضور ﷺ اور آپؐ کی امت کو سونپا گیا ہے۔ مسجد حرام کے ذکر سے خبر دی گئی کہ آگے چل کر اس مسجد کی تولیت آنحضور ﷺ کی امت کے پاس ہوگی۔

اس سفر میں یہ بھی حکمت نظر آتی ہے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دلجوئی فرمائی۔ اصل میں آپؐ کو قریش اور دیگر لوگوں کی طرف سے مسلسل تکالیف پہنچیں۔ یہاں تک کہ آپؐ اور آپؐ کے متعلقین کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا۔ سفر طائف میں بھی سخت دھچکا لگا۔ سفر معراج سے قبل آپؐ کی غم خوار رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ ان تکالیف اور دکھوں کا نبی کریم ﷺ پر بڑا بوجھ تھا۔ لہٰذا اس سفر سے آپؐ کی دلجوئی مقصود تھی، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپؐ کا مقام و مرتبہ بہت بڑا ہے۔ علمائے سیرت نے اس واقعہ کے بہت سے اسرار بیان کیے ہیں، جن کا احاطہ اس مختصر سے مضمون میں نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبال اس سفر سے یہ سبق لیتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

ڈاکٹر ارسلان افتخار کیس اور میڈیا کی قلابازیاں

خلافت فورم میں فکر انگیز مکالمہ

تجزیہ کار: ایوب بیگ مرزا (ناظم شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

سوال: جب سے ڈاکٹر ارسلان افتخار کا کیس منظرِ عام پر آیا ہے ایک رئیل اسٹیٹ ایجنٹ نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ آپ کے خیال میں اِس کی کیا وجہ ہے؟

ایوب بیگ مرزا: درحقیقت جو شے بھی بے بنیاد ہوتی ہے وہ بہت جلد اپنی جگہ سے لڑکھڑا جاتی ہے۔ مثلاً ایک درخت کی جڑیں زمین میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اُسے کوئی طوفان اپنی جگہ سے نہیں اُکھاڑ سکتا۔ جبکہ وہ پتا جو زمین پر بے یار و مددگار پڑا ہو، ہوا کے ایک جھونکے سے اُڑ کر دور چلا جائے گا۔ ہمارے ملک کا معاملہ بھی بدقسمتی سے کچھ ایسا ہی ہے۔ ہم نے اپنے ملک کی بنیاد ہی اُس بنیادی نظریہ پر استوار نہیں کی جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان اس طرح کے معاملات سے بُری طرح ہل جاتا ہے۔ اب جہاں تک رئیل اسٹیٹ ایجنٹ ملک ریاض کا معاملہ ہے۔ اُس شخص کی اپنے گھر میں یہ حیثیت ہے کہ اُس کی بیوی خود اُس کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ ''یہ شخص پرلے درجے کا جھوٹا انسان ہے۔'' دکھ کی بات ہے کہ ایسے شخص کے بیانات ملک کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں جس کی بیوی بھی اُسے جھوٹا کہتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کی بنیادیں انتہائی کمزور ہیں۔ دوسری طرف چیف جسٹس افتخار محمد چودھری جو پاکستانیوں کے لیے اُمید کی کرن سمجھے جاتے ہیں، کے کردار کو ملک ریاض نے دھندلا کر رکھ دیا ہے۔ ملک ریاض کی وجہ سے پاکستان کے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر امیج کو بہت سخت نقصان پہنچا ہے۔

سوال: ملک ریاض نے سپریم کورٹ میں پیشی کے بعد جو پریس کانفرنس کی تھی، اس کی وجہ سے اُنھیں توہین عدالت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ ملک ریاض کی اُس پریس کانفرنس اور عدالتی بیان میں کیا فرق ہے، جس کی بنا پر اُنھیں اس صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا؟

ایوب بیگ مرزا: ملک ریاض جب عدالت عظمیٰ کے روبرو پیش ہوئے تو عدلیہ اور ججز صاحبان پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ لیکن جب انہوں نے عدالت سے باہر پریس کانفرنس کی تو وہ عدلیہ اور ججز کی توہین کرتے نظر آئے۔ باہر آ کر انہوں نے کہا کہ میں چیف جسٹس سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں۔ (1) وہ لوگوں کو بتائیں کہ رات کے اندھیروں میں مجھ سے کیوں ملتے رہے اور کیا باتیں کرتے رہے۔ (2) احمد خلیل کے گھر چیف جسٹس نے وزیر اعظم سے کیوں اور کس وجہ سے ملاقات کی تھی۔ (3) اسی طرح یہ طے تھا کہ چیف جسٹس کسی پیغام رساں سے نہیں ملیں گے۔ آپ دیکھیں کہ اس پریس کانفرنس میں جس انداز کی ملک ریاض نے بازاری زبان استعمال کی، ایک مہذب اور اچھی گفتگو کرنے والا شخص کسی عام آدمی کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔

> **دنیا ٹی وی کے پروگرام میں آف دی ریکارڈ ہونے والی گفتگو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ ارسلان کیس کے سارے سازشی منصوبے میں حکومت کا ہاتھ تھا**

یہی وجہ ہے کہ سپریم کورٹ نے ملک ریاض کے اس توہین آمیز رویے کا ازخود نوٹس لیتے ہوئے انھیں عدالت میں طلب کیا تھا۔ اب ملک ریاض کی یہ حیثیت ہے کہ ملک بھر میں کوئی بھی وکیل اُن کا کیس لڑنے کو تیار نہیں ہے۔ جہاں تک ملک ریاض کی دولت اور روپے پیسے کا معاملہ ہے تو انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اِس ملک کی اشرافیہ نے پیسے کے حوالے سے میڈیا میں جس شرمناک کردار کا مظاہرہ کیا ہے اُس نے پاکستان کے کردار کو دُنیا بھر میں مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستانیوں کے اسی شرمناک کردار کے حوالے سے ایک امریکی نے اپنی عدالت میں یہ بیان دیا تھا کہ پاکستانی قوم پیسوں کی خاطر اپنی ماں تک کو بیچ سکتی ہے۔ اُس وقت ہماری قوم نے اس بیان کی شدید مذمت کی تھی۔ لیکن آج ہمارے میڈیا میں مرکزی کردار ادا کرنے والے لوگوں نے اس امریکی طعنہ کو سچ ثابت کر دکھایا۔ سوال یہ ہے کہ ایک رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کیا اتنی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ صدر پاکستان کے ساتھ نہ صرف اپنی رہائش رکھے بلکہ ببانگ دہل اس بات کا اظہار کرے کہ وہ صدر صاحب سے ملاقات اُن کے آفس کی بجائے اُن کے گھر پر کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں اب یہ صورتِ حال بن چکی ہے کہ جو شخص جتنا ذہنی پستی اور کم ظرفی کا شکار ہے وہ ملکی عہدے اور مرتبے میں اُتنا ہی بلند ہے۔

سوال: آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے ملک میں ہر دوسرے روز ایک نیا مالی اسکینڈل منظرِ عام پر آ جاتا ہے۔ ان مالی اسکینڈلز میں با اثر اور مقتدر شخصیات کے بیٹے ملوث پائے جاتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: اس کی ایک سب سے بڑی وجہ تو پیسے کا لالچ ہے۔ دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ ہم اپنے ملکی قوانین کو ذہنی طور پر تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت انسان کی ازل سے کمزوری رہی ہے، لیکن اگر موازنہ کیا جائے تو تمام عالم اسلام کے مقابلے میں پاکستان کے مسلمان اس آزمائش میں بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ جہاں تک عوام کی جانب سے اشرافیہ پر لگائے جانے والے اس الزام کا تعلق ہے کہ اس ملک کو اشرافیہ نے نقصان پہنچایا ہے تو میری نظر میں یہ پورا سچ نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں پوری قوم بھی اتنی ہی قصوروار ہے جتنی کہ اشرافیہ۔ ہم ایک لالچی قوم بن چکے ہیں، کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان میں جو کوئی بھی طاقتور صاحبِ اقتدار ہوگا وہ قانون کو جیسے چاہے اور جس طرح چاہے اپنے حق میں استعمال کر سکتا ہے۔ اگر کسی کے باپ کے پاس اقتدار اور اختیار ہے تو وہ چاہے گا کہ اس لوٹ کھسوٹ میں اپنی اولاد بلکہ خاندان والوں کو بھی شامل کر لے، کیونکہ وہ اپنی اولاد اور خاندان والوں کو تحفظ دے سکتا ہے۔ آپ دیکھیں مونس الٰہی کی کرپشن بچانے کی خاطر شجاعت فیملی نے اُس پیپلز پارٹی سے مفاہمت کر لی ہے، جس کے بارے میں اُن کی فیملی کے نہ صرف مرد بلکہ خواتین اور بچے تک یہ کہتے تھے کہ ظہور الٰہی کے قتل میں پیپلز پارٹی کا ہاتھ ہے۔ اور یہ وہی پیپلز پارٹی تھی جو پہلے ق لیگ کو قاتل لیگ کے نام سے پکارتی تھی اور ق لیگ کے لوگ جواباً پیپلز پارٹی

کو پاکستان کا قاتل کہتے تھے۔ آپ نے دیکھا اس ازلی دشمنی کا اختتام مونس الٰہی کی کرپشن چھپانے کے لیے مفاہمت پر ہوا ہے۔ اب جہاں تک چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نہایت ایماندار اور بے خوف وخطر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ گمشدہ افراد کے معاملے میں اُنھوں نے فوج کے اعلیٰ افسران تک کو عدالت میں طلب کر لیا تھا۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ چیف جسٹس صاحب کو خاص کر اپنے اس گھریلو معاملے کو بھی انتہائی سنجیدگی سے لینا چاہیے تھا۔ اس لیے ایک اچھے چیف جسٹس ہونے کے باوجود میری نظر میں ایک باپ کی حیثیت سے وہ بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔

سوال: کیا ڈاکٹر ارسلان افتخار کیس اور وزیر اعظم کے بیٹوں کے خلاف قائم مقدمات میں آپ کو کوئی مشابہت نظر آتی ہے؟

ایوب بیگ مرزا: ایک مشابہت تو یہ ہے کہ ایک بیٹا چیف ایگزیکٹو کا ہے اور ایک بیٹا چیف جسٹس کا ہے۔ مشابہت تو ہے، لیکن جہاں تک وزیر اعظم کے بیٹوں کے خلاف کیسز کا معاملہ ہے، اُن کیسوں کی تحقیقات کے لیے

> **میری رائے میں میڈیا نے کرپشن کے اسکینڈلز منظر عام پر لانے اور کچھ معاشرتی برائیوں کو بے نقاب کرنے کے سوا کبھی کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا**

جب کسی ایماندار آفیسر کو تعینات کیا جاتا ہے تو وزیر اعظم صاحب اُس آفیسر کا تبادلہ کرا دیتے ہیں اور اپنی مرضی اور پسند کے آفیسر کو کیس کی تحقیقات کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات ''دال میں کچھ کالا ہے'' کے مصداق سچ ثابت ہوتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وزیر اعظم اپنے بیٹوں کو سزا سے بچا رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں چیف جسٹس نے اپنے بیٹے کے کیس کا از خود نوٹس لیا اور حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس کیس سے نہ صرف بالکل الگ ہو گئے بلکہ اپنے بیٹے کو گھر سے بھی بے دخل کر دیا۔ اس کیس کی اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ارسلان افتخار پر ملک ریاض سے پیسے لینے کا الزام ہے۔ اگر پیسے لینے سے ملک ریاض کو اپنے کیسز کے سلسلے میں کوئی فائدہ پہنچا ہوتا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ پر اثر انداز ہوا ہے، لیکن ملک ریاض خود میڈیا کے سامنے یہ اقرار کرتے ہیں کہ مجھے اتنا پیسہ لگانے کے باوجود کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ یعنی ملک ریاض ڈاکٹر ارسلان افتخار کے ذریعے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو بالکل متاثر نہیں کر سکے۔ جہاں تک اس کیس کے سازش ہونے کا معاملہ ہے تو بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سارے سازشی منصوبے میں حکومت کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ چیف جسٹس حکومت مخالف کیسوں کا سختی سے نوٹس لے رہے ہیں۔ البتہ کچھ لوگوں (جن میں وہ اینکر حضرات بھی شامل ہیں جو موجودہ حکومت کے ساتھ کچھ نہ کچھ ربط وتعلق رکھتے ہیں) کے خیال میں چیف جسٹس صاحب نے چونکہ گمشدہ افراد کے معاملہ میں فوج کے اعلیٰ افسران پر ہاتھ ڈال دیا تھا، لہٰذا اس ساری سازش کے پیچھے حکومت کی بجائے درحقیقت فوج کا ہاتھ ہے۔ بہر حال موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر موجودہ حکومت چونکہ چیف جسٹس سے زیادہ تنگ تھی، لہٰذا یہ سارا سازشی تانا بانا موجودہ حکومت کی جانب سے ہی بُنا گیا لگتا ہے۔

سوال: ملک ریاض عدالتی مقدمات کے سلسلے میں عدالت میں تو پیش ہو رہے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے میڈیا پر مہم بھی شروع کر رکھی ہے جیسا کہ دُنیا چینل پر اُن کے حالیہ انٹرویو کی آف دی ریکارڈ گفتگو بھی اب منظر عام پر آ چکی ہے۔ اُس انٹرویو کے حوالے سے تو ہم آگے چل کے بات کریں گے، سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ اس انٹرویو کی آف دی ریکارڈ گفتگو کو آن ائیر کر دینا کیا پیشہ ورانہ بد دیانتی (Professional Dishonesty) نہیں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: جہاں تک دھوکہ دہی کا سوال ہے تو یہ بالکل پیشہ کے حوالے سے دھوکہ دہی ہے، لیکن آپ نے جس سانحہ کا حوالہ دیا ہے، لوگوں کی جانب سے اسے پہلے فیملی اسکینڈل کا نام دیا گیا تھا اور اب اسے میڈیا اسکینڈل کہا جا رہا ہے۔ لہٰذا دھوکہ دہی کے حوالے سے اس پروگرام کی آف دی ریکارڈ گفتگو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح اب عیاں ہو چکی ہے کہ اس سارے سازشی منصوبے میں حکومت کا کھلم کھلا ہاتھ ہے۔ بلکہ ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ پروگرام کے دوران وزیر اعظم کے بیٹے عبد القادر گیلانی کو فون کر کے اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ آیا پروگرام صحیح چل رہا ہے یا نہیں۔ اس سارے جھوٹے ڈرامے کے نتیجے میں ہمارے ٹاک شوز اور اینکر پرسن سب کے سب مشکوک ہو چکے ہیں۔ وہ اینکر حضرات حقیقی عوامی نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے ہیں، اب عوام کے سامنے ان کا سارا پول کھل چکا ہے۔ اس سارے معاملے سے یہ حقیقت تو عیاں ہو چکی ہے کہ ہمارا ملک ایک ایسی پراپرٹی بن چکا ہے جسے جو چاہے پیسے دے کر خرید سکتا ہے۔

سوال: آپ یہ بتائیں کہ ملک ریاض کا دُنیا نیوز کو دیا گیا انٹرویو ڈاکٹر ارسلان افتخار کیس پر کس طرح سے اثر انداز ہو سکتا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: اگرچہ اپنے بیٹے پر نگاہ رکھنے کے حوالے سے چیف جسٹس صاحب سے کوتاہی ضرور ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک نیک نیت اور انتہائی ایماندار آدمی ہیں، کیونکہ انہوں نے لوگوں کو انصاف فراہم کیا ہے۔ لوگ انہیں پاکستان کے لیے روشنی کی کرن خیال کرتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے۔ دُنیا چینل پر چلنے والے ملک ریاض کے اُس پلانٹڈ انٹرویو کے بعد اب بال چیف جسٹس کے کورٹ میں جا چکی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دولت کے انبار ہونے کے باوجود ملک ریاض کو ملک بھر سے اب کوئی وکیل نہیں مل رہا ہے۔ پھر اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہو گی کہ دوران گفتگو جب مہر بخاری ملک ریاض سے کھانے کا پوچھتی ہے تو ملک صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو روٹی کھا سکتے ہیں اور نہ ہی چاول۔ یعنی اتنی دولت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو اُن پر حرام کر دیا ہے۔ یہ نشانِ عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو دولت کی ہوس میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ بہر حال ارسلان افتخار کیس کے حوالے سے سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دوسرے عام کیسوں کی طرح یہ کیس بھی ٹرائل کورٹ میں چلے گا۔ دوسری جانب اٹارنی جنرل نے جس توہین آمیز رویہ کا

> **ملک ریاض کی دولت سے ''استفادہ'' کے حوالہ سے ملک کی اشرافیہ نے جس شرمناک کردار کا مظاہرہ کیا ہے اس نے پاکستان کے کردار کو دُنیا بھر میں مجروح کر کے رکھ دیا ہے**

عدالت میں مظاہرہ کیا ہے اُس حوالے سے حامد میر نے ٹی وی میں یہ تک کہا ہے کہ اس شخص نے عدالت میں انتہائی بے ہودہ انداز میں اشارے کیے ہیں۔ لہٰذا توہین عدالت کیس تو بعد کی بات ہے، میرے نزدیک تو اٹارنی جنرل کو فوراً گرفتار کیا جانا چاہیے۔

سوال: ملک ریاض کے دنیا ٹی وی کو دیے گئے انٹرویو کے ذریعے میڈیا کے مثبت کردار کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ایک ریاستی ادارے کو بدنام کرنے کی سازش ترتیب دینے پر کیا چینل کے مالک میاں عامر محمود کے خلاف قانونی کارروائی نہیں ہونی چاہیے؟

ایوب بیگ مرزا: یہ بات ابھی ہم فیصلہ کن انداز میں اس لیے نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ بہت سی باتیں اس انٹرویو کے حوالے سے ابھی مشکوک ہیں ۔آپ اس بات کو اس طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ اس سارے معاملے میں پراسرار لوگوں کا مشکوک قسم کا کردار شامل ہے۔ جہاں تک آپ نے میڈیا کے مثبت کردار کی بات کی ہے تو میری رائے میں میڈیا نے کبھی مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ماسوائے کرپشن کے اسکینڈلز منظر عام پر لانے اور کچھ معاشرتی برائیوں کے خلاف کردار کے۔ میڈیا کے اینکرز پر بھی پیسہ لینے کے الزامات ہیں۔جیسے نجم سیٹھی پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اُنھوں نے بھی پیسے لیے ہیں۔لیکن یہ وہ الزامات ہیں جو خود میڈیا کے لوگوں نے میڈیا کے افراد پر لگائے ہیں۔آپ دیکھیں کہ نجم سیٹھی صاحب ایک طرف تو کہتے ہیں بغیر ثبوت کے میں کسی پر بھی الزام تراشی نہیں کرتا جبکہ دوسری طرف یہی نجم سیٹھی صاحب یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ملک ریاض نے ارسلان افتخار پر جو الزامات لگائے ہیں وہ بے بنیاد نہیں ہیں۔ یہ ہے وہ دوغلا کردار جو میڈیا پر سرعام چل رہا ہے۔ مجھے اس سارے معاملے میں حضور اکرم ﷺ کی وہ حدیث پاک یاد آرہی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ منافق کی چار نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (میڈیا پر اور عوامی سطح پر یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی ہے کہ میڈیا کے لوگ اشرافیہ اور عوام تمام کے تمام پرلے درجے کے جھوٹے بن چکے ہیں)۔(2) جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے۔ (آپ دیکھیے ہمارے معاشرے میں ایفائے عہد کی کیا حالت ہے۔یعنی جس ملک کا صدر یہ کہہ دے کہ وعدے کوئی قرآن اور حدیث نہیں ہوتے، وہاں عوامی سطح پر اس صورتِ حال کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں)۔ (3) جب کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اُس میں وہ خیانت کرے۔(نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو ایسے سمجھئے کہ میں تنہائی میں جب آپ کے ساتھ کوئی بات کرتا ہوں تو درحقیقت میں ایک راز آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ جب تک میں آپ کو اجازت نہ دوں، آپ ہرگز کسی اور کو میری وہ بات نہیں کہیں گے۔لیکن آپ نے میڈیا میں اس امانت کے ساتھ ہونے والے سلوک کو بھی اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے۔(4) جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے۔(یہ بات بھی آپ اپنے میڈیا، عوام اور اشرافیہ کے اندر سرعام پائیں گے)۔لہٰذا بات پھر وہیں پر آئے گی کہ ہم اپنی بنیاد سے ہٹ چکے ہیں۔ہم نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس سے مکمل انحراف کیا ہے۔ہم نے اپنی پیٹھ درحقیقت قرآن اور سنت رسولؐ سے پھیر لی ہے۔لہٰذا اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ آج ہمیں اِن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

(مرتب: وسیم احمد/محمد بدرالرحمٰن)

قارئین اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے اور Youtube.com/khilfatforum پر دیکھی جا سکتی ہے۔

مرد حضرات کے لیے

☆ آیئے **قرآن مجید سے نصیحت** حاصل کریں

کل وقتی پندرہ روزہ کورس —— 2 جولائی تا 16 جولائی

تجوید	سیرت النبی ﷺ	روزہ مرہ کے مسائل
منتخب احادیث	قرآن حکیم کے منتخب مقامات	بنیادی دینی موضوعات
عربی زبان کا تعارف	قصص الانبیاء	اقبالیات

☆ **بیسک آڈیو ویڈیو پروڈکشن کورس**

کمپیوٹر ہارڈویئر	ان پیج	کورل ڈرا	کیمرہ ورک اینڈ لائٹ
اڈوب فوٹو شاپ	اڈوب پریمیئر	آفٹر افیکٹ	سیٹ ڈیزائننگ
سونی ایسڈ پرو	آڈیو ویڈیو کنورٹر	سی ڈی/ ڈی وی ڈی رائٹ	

کورسز میں داخلے کے لیے تعلیمی قابلیت: انٹرمیڈیٹ یا مساوی

قیام و طعام بذمہ ادارہ

(بیسک آڈیو ویڈیو پروڈکشن کورس کی داخلہ فیس-/1000 روپے)

داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 30 جون 2012 ھے

زیر اہتمام: **قرآن اکیڈمی** P-45 سعید کالونی نمبر2' قرآن اکیڈمی روڈ' فیصل آباد فون: 041-2420490,0321-7805614

اقبال اور وطنیت

نورا کینہ قاضی

وطنیت کے تصور کا اظہار سیاست کے ذریعے اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہوا اور انقلابِ فرانس نے اس تصور کو اور بھی زیادہ قوی کر دیا۔ بعد میں وطنیت کا اظہار مخصوص تہذیبوں کی ادبی، تاریخی اور لسانی خصوصیات کے ذریعے کیا گیا۔ وطنیت کے جذبے کی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام ایک مشترک سیاسی ہئیت میں منسلک ہوگئے اور تاجرانہ نفع پرستی کی گرم بازاری کے لیے اہلِ مغرب کو یہ نئے حالات بہت سازگار معلوم ہوئے۔ شروع شروع میں نشاۃِ ثانیہ کے بعد یورپ میں جو جدید مملکتیں قائم ہوئیں، انہیں وطنیت کے جذبے سے معاشی مفاد کو فروغ دینے میں بہت مدد ملی۔ اس جذبے کی نشو و نما میں بادشاہوں کا بڑا حصہ رہا۔ بالخصوص انگلستان اور فرانس میں قومیت انہی کی مساعی کی رہینِ منت ہے۔ بالآخر قومیت کی قبا اہلِ مغرب کے جسموں پر ایسی چست ہوئی کہ اس کو بالکل فطری خیال کیا جانے لگا۔ ہر جماعت، قومیت یا وطنیت ہی کی بنیاد پر اپنی سیاسی و معنوی تنظیم کرنے کی دعویدار ہوئی۔ قومی اقتدار معاشی قوت و نفوذ حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھہرا اور معاشی قوت سے قوموں کے سیاسی اقتدار میں اضافہ ہوا۔ ہر قومی مملکت اپنے معاشی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مقدر کی تشکیل و تکمیل کے درپے ہوگئی۔ قطع نظر اس سے کہ اس امر کا دوسری جماعتوں پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ جب ہر مملکت جو وضع قانون کا حق رکھتی ہے خود ہی اپنے حلقۂ عمل کے حدود کا تعین کرنے لگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے اندر اتنی عسکری قوت پیدا کرنے پر مصر ہوئی جو اسے اس کی دانست میں دوسری قوموں کی دست درازی سے محفوظ رکھ سکے اور اپنے من مانے حقوق منوا سکے۔

مملکت کے جدید تصور میں قومی احساس کی کارفرمائی کا بڑا حصہ ہے، جس کے باعث ہر چھوٹی سے چھوٹی قوم اپنی الگ سیاسی تنظیم کی دعویدار ہے۔ آج یہ سیاست کا ایک مسلمہ اصول موضوعہ مانا جاتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے مملکت اور قوم ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے پائیں۔ ان کی حدود ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ قوم کا تصور اب تک بہت غیر متعین اور مبہم طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے، لیکن اس کی تہہ میں اصل خیال یہ ہے کہ جس جماعت میں لسانی، نسلی اور تہذیبی یگانگت ہو اس کے لیے بڑی حد تک ضروری ہے کہ اس کے سیاسی و معاشی مفاد میں اشتراک پیدا کیا جائے۔

چنانچہ جدید قومیت ایک قسم کا نفسیاتی احساس ہے اور مملکت ایک معروضی حقیقت ہے جو اپنے ارادے اور منشاء کو عملی جامہ پہنانے کی قوت رکھتی ہے۔ قومی مملکت بہترین سیاسی تنظیم سمجھی جاتی ہے، جو اجتماعی زندگی کی سب سے بڑی محرک عمل ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ سیاست، معیشت اور تہذیب میں خود مکتفی بن جائے اور کسی دوسرے کی محتاج نہ رہے۔ آج اس نے دین اور اخلاق کی گدی پر قبضہ جمایا ہے۔ مملکتی نظام و نسق کی وحدت اور معاشی مفاد کی یکسانیت سے قومیت کے جذبے کو نشو و نما پانے کا پورا موقع ملتا ہے، جسے دوسری قوموں سے معاشی مقابلے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ غرض کہ آج قومیت یا وطنیت کا سیاسی تصور مملکت کی فطری بنیاد خیال کیا جاتا ہے۔ اقبال اس تصور کو جو انسانوں کی اجتماعی ہیئت کی مخصوص تشکیل کرنا چاہتا ہے اسلامی روایات کا نقیض خیال کرتا ہے۔ اس لیے اس بت کو توڑنا اپنا اسلامی فرض سمجھتا ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے

اقبالؒ وطن دوست ہے، وطن پرست نہیں، اس لیے کہ حب وطن کے فطری تقاضا ہونے کے باوجود اسلام نے وطن کی پرستش، بے جا طرف داری اور اس کے لیے اندھی عصبیت سے روکا ہے۔ اسلام نے وطنی عصبیت ہی نہیں بلکہ رنگ و نسل، زبان و تہذیب کی عصبیت اور تعصب سے بھی منع کیا ہے اور انسان کو ان تمام چھوٹے چھوٹے گھروندوں اور تنگ و تاریک دائروں سے باہر نکال کر بین الاقوامی انسانی برادری کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا

> اسلام نے وطنی عصبیت ہی نہیں بلکہ رنگ و نسل، زبان و تہذیب کی عصبیت سے بھی منع کیا ہے، اور انسان کو تمام چھوٹے چھوٹے گھروندوں اور تنگ و تاریک دائروں سے باہر نکال کر بین الاقوامی انسانی برادری کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا ہے

ہے۔ آج کل کے تصور قومیت اور وطنیت کا سرچشمہ یورپ کی سرزمین ہے۔ اقبال کی نظر میں یہ تصور قومیت شرک اور بت پرستی سے کم نہیں۔ اسے اسلام اور قوم پرستی میں کھلا تضاد نظر آتا ہے۔ وہ اسے غارت گرِ دین اور اس کے پیرہن کو مذہب کا کفن بتاتا ہے۔ اس بارے میں اقبال کا ذہن شروع ہی سے صاف تھا کہ اسلام قومیت اور وطنیت کا قائل نہیں۔

بانگ درا میں اقبالؒ نے اپنا نقطۂ نظر بالکل واضح کر دیا تھا کہ ملتِ اسلامیہ کی طاقت کسی وطن سے نہیں بلکہ توحید اور وحدتِ ملت سے ہے۔ اس کا خیال ہے کہ پوری کائنات انسانی اولوالعزمیوں کی جولانگاہ ہے۔ اس کے لیے کسی نظام یا سرزمین سے بندھ جانا تباہی اور آزادی کھو دینے کے مترادف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہجرت کا اصول انسان کو عالمی انسانیت اور عالمگیر برادری کا ایک عظیم سبق تھا، جسے آنحضورﷺ نے درسِ نبوت سے دیا۔ اُس کے خیال میں قوم پرستی اور وطن کی بے جا

طرفداری اور حق و ناحق پاسداری کے سبب قوموں میں رقابت پیدا ہوتی ہے۔ استحصال سر اٹھاتا ہے۔ سیاست میں بے ایمانی اور بے اصولی پیدا ہوتی ہے اور جنگل کے قانون کو بڑھاوا ملتا ہے۔

اقبالؒ نے اس نقطہ کی وضاحت کی ہے کہ اسلام اور مسلمان کسی ملک و سرزمین پر انحصار نہیں کرتے۔ اس لیے ملکی حدود کی تبدیلی، سیاسی عروج و زوال اور فتح و شکست سے اس انداز میں متاثر نہیں ہوتے جیسا کہ ملک و نسب پر انحصار رکھنے والی قومیں ہوتی ہیں۔ ؎

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تو وہ یوسفؑ ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلّق نہیں پیمانے سے
اپنی ملت پہ قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی!

''دنیائے اسلام'' اقبالؒ کی ایک مؤثر نظم ہے۔ اس میں اس نے دکھایا ہے کہ اہلِ مغرب کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ خود عالمِ اسلام کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے اور اتحادِ ملت کو کبھی مضبوط نہ ہونے دیا جائے۔ اس نظم میں اقبالؒ نے ملت کو ان چالوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔ ؎

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
''ملک ہاتھوں سے گیا' ملت کی آنکھیں کھل گئیں''
حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در نگر!
ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر!
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر!

تصورِ وطنیت کی عمر دو ڈھائی سو سال سے زیادہ نہیں، مگر اس عرصے میں اس نے بے پناہ قوت حاصل کر لی ہے۔ وطنیت نے اس قوت کو نہایت پست مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہوئے من مانے طور پر اپنی زندگی کی قدریں بنائیں جنہیں وہ حق و باطل کا معیار خیال کرتی ہے

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر!

نظم ''طلوعِ اسلام'' میں اقبال کا سبق ہے۔ ؎

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

اپنے دوسرے مجموعۂ کلام میں فرمایا:

تو ابھی رہگذر میں ہے قیدِ مقام سے گذر!
مصر و حجاز سے گذر پارس و شام سے گذر
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرارؓ بھی ہے
نہ چینی و عربی وہ، نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی!

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ وطنیت کا جذبہ محض ایک مصنوعی شے ہے۔ جدید تمدن کے بعض مخصوص حالات نے اس کی پیدائش اور نشو و نما میں مدد دی۔ یہ دعویٰ کہ جس طرح انسان کو اپنے خاندان سے محبت ہوتی ہے اسی طرح یہ محبت بڑھ کر قوم و وطن کی محبت بن جاتی ہے، تاریخی اور منطقی طور پر صحیح نہیں۔ خاندان کی محبت ایک قابل احساس جذبے کے تحت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے وطنیت ایک پیچیدہ اور تجریدی احساس ہے۔ جس کو مخصوص تحریکی احوال اور معاشی تعلقات کی بدولت جذباتی حقیقت بننے کا موقع ملتا ہے اور جہاں تاریخی حالات موافق نہیں ہوتے وہاں اس کے لیے باوجود معاشی مفاد کی یکسانیت سے جذباتی حقیقت بننے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

نسل، زبان، سیاسی و معاشی وحدت اور رسوم و رواج کی یکسانیت کو وطنیت کی اساس نہیں کہا جا سکتا جس کے بغیر کسی گروہ کی معنوی تنظیم محال ہو۔ دراصل وطنیت کا جذبہ جدید تمدن کی بعض مخصوص ضروریات سے پیدا ہوا۔ اس کی عمر دو ڈھائی سو برس سے زیادہ نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن اس عرصہ میں اس نے بے پناہ قوت حاصل کر لی ہے۔ وطنیت اس قوت کو نہایت ہی پست مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتی۔

ہجرت کا اصول انسان کو عالمی انسانیت اور عالمگیر برادری کا ایک عظیم سبق تھا جو آنحضور ﷺ نے دیا

اس نے من مانے طور پر اپنی زندگی کی قدریں بنائی ہیں، جنہیں وہ حق و باطل کا معیار خیال کرتی ہے۔ اس اندھے جذبے کے تحت قومیں یہ بھول گئیں کہ جس طرح انفرادی زندگی میں خواہشوں اور میلانوں کی تحدید سے اخلاق و تمدن پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جب تک قومیں اپنے اعمال پر تحدید عائد کرنا نہیں سیکھیں گی اس وقت تک دنیا میں امن و عافیت کا قیام ممکن نہیں۔

وطنیت کی مادی بنیادوں کی جگہ اسلام کی انسانی تحریک قافلہ انسانی کو ہمیشہ رواں رکھے گی۔ جن قافلوں کا انحصار ان کے مادی وسائل پر ہوتا ہے وہ منزل پر پہنچنے کے بعد باقی نہیں رہتے اور بعض اوقات راستے میں ہی زمانے کی دست برد کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن جس قافلے کی مادی متاع ''بانگِ درا'' ہو، اس کی معنوی حیثیت طوفان سے بھی برباد نہیں ہو سکتی۔ ایسا قافلہ ہمیشہ اپنا سفر جاری رکھے گا، تاکہ انسانیت اس کی آوازِ حق سے بیدار ہوتی رہے۔ وہ ایک منزل پر پہنچنے کے بعد دوسری منزل کا متلاشی رہے گا۔ انسان اپنے وطن اور اپنی قومیں بدلتے رہیں گے، لیکن اس قافلے کا عزمِ سفر اور اعلانِ حق کی خواہش ہمیشہ برقرار اور انسانی ترقی کی ضامن و محرک رہے گی۔ ؎

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تو وہ یوسفؑ ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

معمارِ پاکستان نے کہا:

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔

اسلامیہ کالج پشاور (13 جنوری 1948)

غداری میں آگے کون!

محمد سمیع

ڈاکٹر شکیل آفریدی کو فی الحال ایک دہشت گرد کالعدم تنظیم سے تعلق رکھنے کی بنا پر 33 سال قید اور جرمانہ کی سزا ہوئی ہے اور ابھی اُس کے خلاف ایبٹ آباد آپریشن پر امریکہ کے لئے جاسوسی کرنے کا مقدمہ چلنا ہے اور کوا کب بتاتے ہیں کہ اِس مقدمہ میں بھی اُسے سخت ترین سزا ملے گی، لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری حکومت عدلیہ یا فوج اُسے تو غداری کا مرتکب قرار دے کر قابل گردن زدنی قرار دیتی ہے، مگر ہم من حیث القوم کیا کر رہے ہیں۔ ہماری انٹیلی جنس ایجنسیاں امریکہ کے لئے جاسوسی کر رہی ہیں۔ امریکہ کے مجرموں اور القاعدہ اور طالبان سے وابستہ لوگوں کی نشان دہی کر رہی ہیں۔ نتیجہ؟ ڈرون حملے۔ مرنے والے بے قصور بے شمار۔ لیکن اس پر ہمارے لئے کوئی سزا نہیں۔ نہ نہ، یہ نہ کہیں کہ قوم مجرم نہیں، حکمراں مجرم ہیں۔ اس لیے کہ حکمرانوں کو اقتدار تک پہنچانے والے کون ہیں؟ ہم اور آپ اور چلئے تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ ہماری اسٹیبلشمنٹ بھی۔ تو بھائی جس جرم پر ایک فرد کو غدار قرار دیا جا رہا ہے، اس پر پوری قوم غدار کیوں نہیں؟ تضاد ملاحظہ فرمائیں۔ ایبٹ آباد آپریشن کے نتیجے میں اسامہ بن لادن کی ہلاکت پر امریکہ کو ہمارے صدر محترم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہمارے وزیراعظم اسے فتح عظیم قرار دیتے ہیں، تو پھر تو ہمارے حکمرانوں کو ڈاکٹر شکیل آفریدی کا ممنون ہونا چاہیئے، کیونکہ اُس کی سرگرمیوں کے نتیجے میں اسامہ بن لادن کی ایبٹ آباد میں موجودگی کی تصدیق ہوئی، یعنی اُس نے امریکہ کو مدد فراہم کی اور ہمارے حکمرانوں کو اپنے اتحادی امریکہ کی رضا حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا۔ ہم گزشتہ دس سال سے امریکہ کی افغانستان میں مدد کر رہے ہیں۔ لیکن ایسی مدد کا کیا فائدہ کہ آج امریکہ کمبل سے چھٹکارہ حاصل کرنے پر تلا ہوا ہے اور اس کے لئے وہ طالبان سے مذاکرات کے لئے بھی تیار ہے۔ اس کے تو صرف چند سو فوجی ہی افغانستان میں کام آئے ہوں گے، ہمارے تو چار پانچ ہزار فوجی ہی نہیں پینتیس ہزار سے زیادہ شہری بھی شہید ہوئے اور اربوں ڈالر کا معاشی نقصان بھی برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ اور کس کی جنگ میں؟ امریکہ کی جنگ میں۔ کس کے خلاف جنگ میں؟ طالبان کے خلاف جنگ میں، جو ہمارے ہی دینی بھائی ہیں۔ طالبان نے سارا توکل اللہ تعالیٰ پر کیا، کیونکہ وہ امریکہ جیسی کسی قوت کی رضا کے طالب نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے طلبگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ ہم نے سارا توکل امریکہ پر کیا۔ ذلت وخواری آج ہمارا مقدر ہے۔ بیشک یہ کس قدر لاریب سچائی ہے کہ ''اگر اللہ تمہاری مدد پر آجائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو آئے''۔ اللہ تعالیٰ نے طالبان کی اس لئے بھی مدد فرمائی کہ پانچ سال تک انہوں نے اپنی ریاست میں اللہ کے کلمے کو سربلند کئے رکھا۔ لہٰذا ہر طرح کے جدید اسلحوں سے لیس زمینی سپر پاور اس پر غالب نہ آسکی۔ اور اللہ نے ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا، کیونکہ ہم نے اپنے دینی بھائیوں کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دیا، لہٰذا آج دنیا کی کوئی قوت ہماری پشت پر نہیں۔

اب دیکھئے، جس امریکہ کی خاطر ہم نے اتنے دکھ جھیلے وہ ڈاکٹر شکیل آفریدی کی سزا پر کیا کہتا ہے۔ امریکی محکمۂ دفاع کی طرف سے بیان آیا کہ ڈاکٹر شکیل کو غدار سمجھنا پاکستان کی سنگین غلطی ہے۔ بے چارے امریکی بھی سخت الجھن میں ہیں کہ ایک طرف پاکستان ہمارا اتحادی ہے اور دوسری جانب وہ ڈاکٹر شکیل کو غدار قرار دے رہا ہے، جس نے ہمارے Highest value target تک رسائی میں ہماری مدد کی۔ اس نے تو پاکستان کے اتحادی کی ہی کی مدد کی ہے۔ یقیناً ایک وقت آئے گا جب ہمارے حکمران ڈاکٹر شکیل آفریدی کو رہا کر کے امریکہ کے حوالے کر دیں گے۔ کیونکہ ہم دباؤ برداشت کرنے کے عادی نہیں۔ ہم نیٹو کے 48 اتحادی ممالک کی ناراضی مول لینے کے متحمل نہیں، جبھی تو نیٹو کی ترسیل بحال کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔ امریکہ نے دباؤ ڈال کر ریمنڈ ڈیوس کو رہا کروالیا اور اس کے لئے سہارا ہم نے اسلام کے قانون دیت کو بنایا۔ حالانکہ ہم 65 برس گزرنے کے بعد بھی ملک میں اسلام کے نظام کو نافذ کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

''مسجد بنت کعبہ، N-866 پونچھ روڈ سمن آباد لاہور'' میں

مبتدی تربیتی کورس

8 تا 14 جولائی 2012ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں، موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت: (042)36316638-36366638
0333-4311226

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (III)

فرقان دانش

فتح بابل وکُوثیٰ

قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد ایرانی لشکر کی ایک بڑی تعداد نے بھاگ کر بابل میں پناہ لی تھی۔ اس زمانہ میں بابل ایران کی ایک مستحکم چھاؤنی تھی۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت سعد ؓ کو ایران (کسریٰ) کے دارالخلافہ مدائن کی طرف پیش قدمی کی ہدایت کی۔ حضرت سعد ؓ قادسیہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں بابل اور کوثیٰ کے علاقے بآسانی فتح ہوگئے۔

فتح مدائن

مدائن کا عظیم الشان شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مشرقی کنارے کے علاقے کو مدائن قصویٰ اور مغربی کنارے کے علاقے کو مدائن دنیا کہتے تھے۔ مدائن کی ایک چھاؤنی بہرہ شیر تھی جو مغربی کنارے پر واقع مدائن کے قریب تھی۔ حضرت سعد ؓ بہرہ شیر پہنچے تو ایرانی فوج قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔ مسلمان دو یا تین ماہ تک بہرہ شیر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایرانی محاصرے سے پریشان ہو کر مسلمانوں سے دو بدو جنگ کے لیے باہر نکل آئے۔ ایرانیوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے انہیں کچل ڈالا اور فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ عام شہریوں نے اطاعت قبول کر لی اور معمولی جزیہ دینے پر رضامند ہوگئے۔

بحرِ ظلمات میں گھوڑے

مسلمان بہرہ شیر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر شاہ کسریٰ یعنی یزدگرد کا عظیم الشان فلک بوس سفید محل دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ حضرت ضرارؓ بن خطاب نے اس موقع پر کہا: ''مسلمانو! یہ کسریٰ کا وہ محل ہے جس کی فتح کا وعدہ اللہ اور رسولؐ نے کیا ہے۔'' یہ سن کر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ اسی سپر پاور کسریٰ کا پایۂ تخت تھا جس کے حاکم پرویز نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کیا تھا۔ آج یہ مسلمانوں سے کچھ ہی دور فاصلے پر موجود تھا۔ درمیان میں دریائے دجلہ تھا۔ اس سال بے پناہ بارشوں کے باعث دریا کے پانی کا پھیلاؤ اور زور شور عروج پر تھا۔ حضرت سعد ؓ نے بہرہ شیر میں قیام کی بجائے مدائن کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ایرانیوں نے تمام پل توڑ ڈالے تھے اور کشتیاں بھی اپنی طرف روک لی تھیں۔ حضرت سعد ؓ نے لشکر اسلام کو جمع کیا اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تہیہ کر چکا ہوں کہ اللہ کے بھروسے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دوں۔ بولو، کون اس کام میں میرا ساتھ دینے کو تیار ہے۔''

تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا:

''اے امیر! ہم نے بھی اپنی جانیں راہ خدا میں بیچ رکھی ہیں۔ ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے۔''

حاکم کسریٰ ''یزدگرد'' نے دریا کے کنارے تیر انداز کھڑے کیے تھے کہ اگر مسلمان دریا پار کریں تو انہیں تیروں کا نشانہ بنائیں۔

حضرت سعد ؓ نے حکم دیا کہ تمام مسلمان اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں۔ مسلمانوں نے اللہ کا نام لے کر ذکر کرتے ہوئے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ گھوڑے دریا میں تیرنے کی بجائے قدرت الٰہی سے دریا کے اوپر چلنے لگے، حتیٰ کہ سب مجاہدین ایک دوسرے سے باتیں کرتے چلتے رہے۔ ایک مجاہد غرقدہ ؓ پاؤں پھسلنے سے دریا میں غوطے کھانے لگے۔ ان کے ساتھ حضرت قعقاع ؓ نے آگے بڑھ کر انہیں پانی سے نکال لیا۔ ایک مجاہد کا پیالہ دریا میں جا گرا تو انہوں نے کہا کہ میرا پیالہ ضائع نہ ہوگا۔

دیواں آمدند

ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو ان پر خوف طاری ہو گیا اور وہ دیواں آمدند دیواں آمدند (دیو آگئے دیو آگئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب مجاہدین کنارے پر پہنچے تو دریا کی ایک لہر نے وہ پیالہ کنارے پر لا ڈالا۔ مسلمانوں کے فاتحانہ داخلے پر یزدگرد اپنا خزانہ جو لے جاسکتا تھا اٹھا کر حلوان کی طرف بھاگ گیا۔

حضرت سعد ؓ نے قصر ابیض (وائٹ ہاؤس) میں داخل ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نماز شکرانہ ادا کی۔ بیش بہا مال غنیمت اکٹھا ہوا۔ کسریٰ کے خزانے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے 30 کھرب دینار مالیت کے تھے۔ سونے جواہرت سے مرصع نادر و نایاب چیزیں ان کے علاوہ تھیں۔ مسلمانوں نے اس قیمتی مال کو جمع کرانے میں جس دیانتداری کا ثبوت دیا، اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں:

''ہم نے قادسیہ کے مجاہدین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ پایا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا کی خواہش کی ہو۔''

حضرت سعد ؓ نے تمام مال غنیمت کا پانچواں حصہ (خُمس) حضرت بشیر ؓ بن خصاصیہ کے ہاتھوں مدینہ منورہ بھجوایا۔ اس میں فرشِ بہار اور دوسری نادر اشیاء بھی شامل تھیں۔ مجاہدین کے حصہ میں بارہ بارہ ہزار دینار آئے۔ جب مال غنیمت مدینہ منورہ پہنچا تو لوگ اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے سراقہ ؓ بن جعشم جن کو رسول اکرم ﷺ نے خوشخبری دی تھی کہ تم ایک دن کسریٰ کے کنگن پہنو گے، بلایا اور کسریٰ کے کنگن اور مرصع تاج پہنایا۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں پر رقت طاری ہوگئی۔ تمام مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر مسلمان کے حصے میں خطیر رقم آئی۔ حضرت عمر ؓ نے فرش بہار سونے کا قالین بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ بیس یا تیس ہزار دینار میں فروخت ہوا۔

متفرق معرکے

مدائن کی فتح کے بعد حضرت سعد ؓ دوسرے مجاہدین کے ساتھ مستقل طور پر مدائن ہی میں مقیم ہو گئے۔ اس قیام کے دوران جلولا اور حلوان کے علاقے فتح ہوئے۔ ان علاقوں کے مال غنیمت کا خُمس جب بارگاہ خلافت میں بھیجا تو لاتعداد جواہر اور درہم و دینار دیکھ کر امیر المومنین حضرت عمر ؓ رو پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے وجہ پوچھی، تو جواب دیا: ''مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ یہ مال و دولت کہیں مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، کیونکہ دولت دنیوی اور رشک و حسد میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔'' اس کے

بعد آپؓ نے تمام مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ جلولا اور حلوانِ کے بعد تکریت، موصل اور ماسبذان کے علاقوں پر بھی علَم اسلام لہرانے لگا۔ حضرت سعدؓ نے ان معرکوں سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ سے فارس کے اندر داخل ہو کر یزدگرد کا تعاقب کرنے کی اجازت مانگی تو خلیفہ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا: ''جو علاقہ فتح ہو چکا اس کے انتظام و انصرام پر توجہ دو۔ ہم نے ایرانیوں کو عرب کی حدود سے پیچھے دھکیل دیا ہے، اُن کے ملک فارس پر ہم بلاوجہ حملہ نہیں کریں گے۔''

منصب امارت

حضرت سعدؓ کی جنگی مہم کا خاتمہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ کے حکم پر انہوں نے مدائن کو مستقر بنا کر مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق سنبھالا۔ یہ کام عسکری مہم سے کم اہم نہ تھا، مگر حضرت سعدؓ نے اپنے حسن انتظام سے ثابت کر دیا کہ وہ صرف قابل سپہ سالار ہی نہیں بلکہ بہترین گورنر بھی ہیں۔ انہوں نے عراق کی مردم شماری اور زمین کی پیائش کرائی۔ وہ زمین جس کی ملکیت کا کوئی دعویدار نہ تھا، مستحقین میں تقسیم کر دی۔ مالیہ اور جزیہ کے منصفانہ قوانین وضع کیے۔ رفاہِ عامہ کے بے شمار کام کرائے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے اخلاق نے عراقیوں کے دل موہ لیے۔ بے شمار لوگوں اور رؤساء نے اسلام قبول کر لیا۔

کوفہ کی تعمیر:

مدائن میں مسلمانوں کے قیام کو جب ایک عرصہ گزر گیا تو حضرت سعدؓ نے محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہیں آئی۔ ان کے رنگ سیاہ اور جسم سوکھ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ سے اجازت لے کر حضرت سعدؓ نے مسلمانوں کے لیے نیا شہر بسانے کے لیے مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ دریائے فرات سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب جگہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہاں 17 ہجری میں شہر کوفہ کی بنیاد رکھی گئی۔ آپؓ نے سب سے پہلے وسط شہر میں ایک بڑی مسجد تعمیر کرائی جس میں بیک وقت چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے قریب ایوان حکومت قائم ہوا جو ''قصر سعدؓ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے ساتھ بیت المال اور مہمان خانہ کی عمارتیں تعمیر کرائی گئیں اور ان سے متصل فوج نے بھی اپنے مکانات بنا لیے۔ یہ عظیم الشان شہر حقیقت میں فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں ایک لاکھ سپاہ آباد کی گئی۔ بہت ہی کم مسلمانوں نے مدائن چھوڑنا پسند نہ کیا جبکہ اکثریت یہاں آ کر آباد ہو گئی۔ ابتدا میں کوفہ میں بانس کے مکانات بنائے گئے لیکن ایک دن ان میں آگ لگ گئی اور سب جل گئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے مسلمانوں کو نیچی دیواروں کے پختہ مکانات بنانے کی اجازت دی گئی اور کوفہ میں دھڑا دھڑ پختہ مکانات بننا شروع ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے رفاہ عامہ کے لیے پل اور نہریں بنوائیں۔ مکاتب و مدارس کھلوائے، ایک لاکھ سپاہیوں میں نظم وضبط کے لیے ہر دس دس سپاہیوں پر تنخواہوں کی تقسیم کے لیے ایک افسر مقرر کیا۔

معزولی

حضرت عمر فاروقؓ نے ''قصر سعد'' کے نام کو ناپسند فرمایا، تاہم خاموشی اختیار فرمائی کہ اس نام کی تشہیر میں حضرت سعدؓ کا کچھ دخل نہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سعدؓ نے بازار کے شور و غل سے بچنے کے لیے اپنی قیام گاہ کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوا کر اس میں بڑا دروازہ لگوا دیا۔ لوگوں نے بارگاہ خلافت میں شکایت بھیجی کہ اس طرح اہل حاجت ان تک بلا روک ٹوک نہیں پہنچ سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو ایک خط دے کر بھیجا کہ اس ڈیوڑھی کو جلا ڈالیں حضرت سعدؓ نے اس موقع پر نہایت تحمل اور اطاعت کیشی کا ثبوت دیا اور ڈیوڑھی کے جلائے جانے پر کوئی تعرض نہ کیا۔

21 ہجری میں کچھ شرپسندوں نے بارگاہ خلافت میں شکایت کی کہ حضرت سعدؓ صحیح طریقہ سے نماز نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کے ذریعے حضرت سعدؓ اور شکایت کرنے والی جماعت کے کچھ لوگوں کو مدینہ طلب کر لیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ الزام غلط ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مسلمانوں میں فتنہ اور انتشار نہ پھیلے حضرت سعدؓ کو واپس نہ بھیجا۔ اور کوفہ میں حضرت عمارؓ یا بروایت دیگر حضرت عبداللہ بن عتبانؓ کو گورنر مقرر فرما دیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی شہادت سے قبل جن چھ اصحابؓ کے نام پیش کیے تھے، ان میں حضرت سعدؓ بن وقاص بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر حضرت سعدؓ منصب خلافت پر فائز نہ ہو سکے تو جو بھی خلیفہ منتخب ہو، وہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔ اس بار حضرت سعدؓ تین سال تک منصب امامت پر فائز رہے۔ مشہور صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے ماتحت مہتمم بیت المال تھے۔ 24 ہجری میں حضرت سعدؓ جب کسی وجہ سے بیت المال سے لیا قرض وقت پر واپس نہ کر پائے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بہت سختی کی۔ حضرت سعدؓ کچھ مہلت چاہتے تھے لیکن ابن مسعودؓ فوری وصولی پر مصر تھے۔ حضرت سعدؓ کو اصرار پر غصہ آیا تو بددعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور التجا کی دیکھو، میرے لیے بددعا نہ کرنا۔'' دراصل رسول اکرم ﷺ نے حضرت سعدؓ کو قبولیت دعا کی بشارت دے رکھی تھی۔ اس لیے آپؓ کا مستجاب الدعوات ہونا مسلم تھا۔ تاہم جب حضرت عثمانؓ کو حضرت سعدؓ کے اظہار غضب کی اطلاع ملی تو ان کو سبکدوش کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔ معزولی کے بعد حضرت سعدؓ نے سیاست ملکی سے قطع تعلقی اختیار کر لی اور مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں گوشہ نشین ہو گئے، جہاں تیس سال تک مقیم رہے۔ اگر کبھی اس گوشۂ عزلت سے باہر تشریف لائے تو محض پند و نصیحت اور فتنہ و فساد سے روکنے کے لیے۔ جب حضرت علیؓ خلیفہ بنے تو آپؓ نے فوراً ان کی بیعت کر لی۔ ایک روایت کے مطابق 55 ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپؓ اس وقت بے حد ضعیف ہو چکے تھے اور آنکھوں کی بصارت جواب دے چکی تھی۔ آپؓ کی وصیت کے مطابق آپؓ کو اس اُونی لباس میں جنت البقیع میں دفنایا گیا جو آپؓ نے غزوۂ بدر میں پہنا تھا۔

> حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم پر مسلمانوں نے اللہ کا نام لے کر ذکر کرتے ہوئے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ گھوڑے دریا میں تیرنے کی بجائے قدرت الٰہی سے دریا کے اوپر چلنے لگے، حتیٰ کہ سب مجاہدین ایک دوسرے سے باتیں کرتے چلتے رہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی گوجر خان کے زیر اہتمام شب بیداری پروگرام

تنظیم اسلامی گوجر خان کے زیر اہتمام 19 اور 20 مئی 2012ء کی درمیانی شب مسجد العابد حیا تسر روڈ گوجر خان میں شب بیداری کا اہتمام کیا گیا، جس میں 25 رفقاء اور دو احباب نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب نعیم اکرم کے درس حدیث سے ہوا۔ انہوں نے تکبر کے مہلک انجام پر درس دیا۔ اس کے بعد راجہ احمد بلال نے سورۃ النساء کی آیات نمبر 44، 45 کا درس دیا۔ نماز عشاء کے فرائض کے بعد محمود حسین نے قرآن کی عظمت اور فضیلت کے موضوع پر گفتگو کی۔ بقیہ نماز اور کھانے کے وقفہ کے بعد امیر تنظیم فاروق حسین نے ہمارے بنیادی تصورات اور عقائد کا مذاکرہ کرایا، جو رات ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا۔ رات کے آخری پہر شرکاء کو انفرادی نوافل کے لیے جگایا گیا۔ نماز فجر کے بعد پروفیسر ندیم مجید نے سورۃ طٰہٰ کی آیات کا درس دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ شب بیداری اختتام پذیر ہوئی۔ (رپورٹ: زاہد بابر)

جبی دارالسلام میر پور میں فہم دین پروگرام

تنظیم اسلامی میر پور کے زیر اہتمام 27 مئی 2012ء کو جبی دارالسلام میں فہم دین پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز سید محمد آزاد کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے شروع میں سوال جواب کا طریقہ اپنایا، پھر سورۃ النصر کے حوالے سے فتح مکہ کے عظیم واقعہ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا ذکر کیا۔ مقامی امیر تنظیم ظفر اقبال نے درس حدیث دیا۔ انہوں نے حدیث رسولﷺ کی روشنی میں کہا کہ لوہے کی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ دل کے اِس زنگ کا علاج کثرت سے تلاوت اور موت کی یاد ہے۔ قاری فرید الحق نے اخلاصِ نیت پر سیر حاصل گفتگو کی۔ بدرالاسلام نے ایک مطبوعہ مضمون سے اقتباس پیش کیا، جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ انقلاب کے لیے قربانی درکار ہے۔ اسرار احمد صدیقی نے سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ضمن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اور قبول اسلام کی المناک داستان بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی نظام کا قیام آسان نہیں۔ اس کے لیے ہمیں وقت، مال اور جان کی قربانی دینا پڑے گی۔ پروفیسر عبدالباسط نے سورۃ الصف کی روشنی میں کردار کی گواہی پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ کردار کے بغیر وعظ بے اثر ہوگا بلکہ اس سے اللہ کا غضب بھڑکتا ہے۔ راقم نے ندائے خلافت سے ''علم کی شاہ کلید'' والا مضمون پیش کیا۔ بوقت عصر دعا کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: غلام سلطان)

حلقہ کراچی شمالی کا سہ ماہی تربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کے زیر اہتمام 30 مئی 2012 کو قرآن اکیڈمی یٰسین آباد میں حلقہ کے رفقاء و رفیقات اور ان کے اہل خانہ کا سہ ماہی تربیتی اجتماع منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز صبح 9 بجے ہوا۔ حلقہ کے ناظم دعوت عامر خان نے تذکیر بالقران کی ذمہ داری ادا کی۔ انہوں نے سورۃ الطور کی روشنی میں فکر آخرت کی تذکیر کی۔ اہل جنت کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے رفقائے تنظیم کو ان پر عائد ہونے والی گھریلو ذمہ داریوں کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ پونے نو تا سوا دس بجے وقفہ کیا گیا، جس میں حاضرین نے ناشتہ کیا اور باہمی تعارف حاصل کیا۔ پروگرام کے دوسرے حصے کے آغاز میں حلقہ کے ناظم تربیت اویس پاشا قرنی نے کتاب "ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی - ایک تعارف" کا جامع تعارف پیش کیا اور رفقاء کو بتایا کہ اس کتاب کو کس طرح دعوتی میدان میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ناظم حلقہ کراچی شمالی شجاع الدین شیخ نے مرکز کی طرف سے موصولہ سرکلر کی روشنی میں "ہمارا گھر اور انٹرنیٹ" کے موضوع پر خطاب کیا، جس میں انٹرنیٹ کے نقصانات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے بچاؤ کے طریقہ کار پر تفصیلی گفتگو کی۔ آخر میں امیر حلقہ کراچی شمالی سید اظہر ریاض نے حاضرین سے اختتامی گفتگو کرتے ہوئے ان کی حاضری کو سراہا اور ان پر دین کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے سلسلے میں ماہانہ تربیتی کورسز کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور اس میں بھرپور شرکت کی ترغیب دلائی۔ سوا بارہ بجے مسنون دعا پر یہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب: وقاص مبین خان)

حلقہ مالاکنڈ کے تحت سہ ماہی تربیتی و مشاورتی اجتماع

3 جون 2012ء بروز اتوار صبح 8 بجے تا 12 بجے حلقہ مالاکنڈ کا سہ ماہی تربیتی و مشاورتی اجتماع ہوا۔ اجتماع میں حلقہ کے دُور دراز علاقوں سے رفقاء و احباب نے شرکت کی، جن کی تعداد 80 تھی۔ پروگرام کا آغاز درس قرآن سے ہوا۔ حافظ احسان اللہ نے سورۃ الجمعہ کی چند آیات کا درس دیا۔ اس کے بعد ''بیعت کے تقاضے'' کے موضوع پر جناب ممتاز بخت نے گفتگو کی۔ انہوں نے بیعت کی بنیاد پر قائم جماعتوں کا موازنہ دوسری جماعتوں کے نظم سے کیا اور بتایا کہ اقامت دین کے لیے اٹھنے والی تمام تحریکوں نے بیعت کے طریقہ کو اپنایا ہے، جو منصوص، مسنون اور ماثور ہے، اور تنظیم اسلامی نے اسی سنت طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

پروگرام کے تیسرے مقرر امیر حلقہ مالاکنڈ جناب گل رحمٰن تھے۔ انہوں نے ''اسلام اور سیکولرازم'' کے عنوان سے اپنی گفتگو میں شرکاء پر واضح کیا کہ حق و باطل کا معرکہ روزِ اوّل سے برپا ہے۔ اس وقت بھی یہ معرکہ زوروں پر ہے۔ اس معرکہ میں ایک طرف اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کی جماعت (حزب اللہ) ہے، اور دوسری طرف سیکولرازم کے غلبہ کے لیے کوشاں لوگ ہیں۔ ہمیں اس معرکہ میں حزب اللہ کا ساتھ دینا چاہیے جو حق کی علمبردار اور تمام انسانیت کی فلاح کا پروگرام رکھتی ہے اور یہ پروگرام اسلام کے عادلانہ و منصفانہ نظام کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ چائے کے وقفے کے بعد جناب علی شیر نے ''شریعت کیا، کیوں اور کیسے'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ پروگرام کے آخر میں امراء و نقباء کی باہم مشاورت ہوئی۔ جس میں امیر حلقہ پشاور میجر (ر) فتح محمد نے بھی شرکت کی۔ انہوں نے شرکائے اجتماع سے خطاب کیا اور انہیں مفید مشورے بھی دیئے۔ (مرتب: احسان الودود)

ضرورت رشتہ

☆ اسلام آباد میں رہائش پذیر اعوان فیملی کو اپنے بیٹے، رفیق تنظیم، عمر 23 سال، تعلیم بی ایس سی میتھ، برسر روزگار کے لیے دینی مزاج کی حامل، شرعی پردے کی پابند ہم پلہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0322-5322085 ۔ 0334-5464930

☆ واہ کینٹ میں رہائش پذیر کشمیری فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم بی ایس سی، الہدیٰ انٹرنیشنل سے فہم قرآن کورس کر رکھا ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0332-5253466

☆ آزاد کشمیر (کوٹلی) میں رہائش پذیر سرکاری ملازم، عمر 45 سال، اولاد کی نعمت سے محروم کے لیے دینی مزاج کی خاتون (مطلقہ یا بیوہ) کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0332-5253466

surahs --- this time in a much harsher manner than he had done in his 1971 work, *The Event of the Quran: Islam and Its Scripture*. This is, by no means, an isolated example of the Western academic attitude towards the Quran.

Historically, the current Western academic attitudes can be traced back to the work of the 19th century Orientalists and, through them, to the five centuries of discourse on the Quran by Christian polemists-cum-philologists who appeared on the Western academic scene in the 14th century, when the Church Council of Vienna, held in 1312, announced the establishment of chairs in Arabic, Greek, Hebrew, and Syriac at Paris, Oxford, Bologna, Avignon and Salamanca. It is the vast store of Orientalism from which most of the current Western discourse on the Quran derives its kinetic pressure and material resources, although "today an Orientalist is l ess likely to call himself an Orientalist than he was almost any time up to World War II", as Edward Said had noted in 1978.

The contemporary academic discourse on the Quran has re-cloaked itself in new garb in order to distinguish itself from Orientalism proper, but it is unreasonable to assume that any scholarly tradition can dissociate itself from the core values, assumptions and premises of its mother-tradition. Thus, while the current academic writings on Islam are no more the sole dominion of the erstwhile Orientalist, the study of Islam as a subject alongside other religions in the relatively new departments of religious studies, as well as in the older and well-established area study departments and departments of languages and literature at numerous British, European and North American universities, has umbilical links with the Orientalism of yesteryears.

A general survey of the contemporary Western academic study of the Quran makes it abundantly clear that it cannot rid itself of the very foundation on which it stands, because, as Edward Said noted, "despite its failures, its lamentable jargon, its scarcely concealed racism, its paper-thin intellectual apparatus, Orientalism (continues to) flourish".

(*Courtesy: daily "The News"*)

ISRAELI FOODS CAN CAUSE INFERTILITY IN MEN

A recent report says the food items exported by Israeli to Azerbaijan contain ingredients, which may lead to infertility in male consumers. An Azeri physician speaking on condition of anonymity told the Azeri daily *Gundelik* that such food items as cooking oil, rice, sugar and tea, which are imported from Israel, could cause infertility in men. He added that the problem has been confirmed by doctors testing the foods at Baku's medical university.

The report citing news agencies like The North Pacific, SS and IS also said that during recent years, the Zionist regime has been trying to change demography of Azerbaijan by purchasing hundred of hectares of land to settle Jews. Tel Aviv is also behind trafficking human body parts in Azerbaijan.

ایمان کے لغوی اور شرعی معنی' ایمان کا فلسفہ' ایمان و عمل کا باہمی تعلق
اپنے موضوع پر لاثانی تحقیق و فکری تصنیف
حقیقتِ ایمان
اشاعت خاص: 120 روپے

Dr Muzaffar Iqbal

THE QURAN AND THE WEST

After a century of concerted efforts to discredit hadith literature as a veritable source of Islam, the Western academia has now diverted its full attention to the Noble Quran. There are, literally, thousands of new graduate students working on various aspects of the Quran at different Western universities. Numerous books are being published on the Quran and there is an increasing number of graduate and undergraduate courses in the department of religious studies specifically devoted to the Book held sacred by one-fourth of humanity. This new attention to the Quran is neither accidental nor incidental; it is also not a well-planned conspiracy; it is simply the most logical outcome of Western attitudes towards Islam and its source material.

This new attention to the Quran is not without affinities to certain recent global events which have strained the relationships between Muslims and the West in general. Like the Crusades and the Turkish Wars of the previous centuries, which produced an enormous interest in the Quran in Western Christendom, current global tensions have generated a new round of scrutiny of the Quran by Western thinkers, clergy and academia. These new tensions have also created a certain degree of urgency (and funding) to study the Quran, which is now being seen as the very root of the "Muslim problem", not only by certain European and American politicians but also by some scholars and religious leaders.

This perceived problem comes, more specifically, from the Quranic verses on Jihad, which have attracted the attention of many influential politicians and various think tanks. As a result of fear, misunderstanding, and sheer ignorance, "terrorism" is also being linked to the Quran. Certain Muslim governments have been forced to "expunge" many verses dealing with Jihad from the educational curricula. The vigorous military, political, economic and cultural campaign now underway has, however, not remained in the domain of politics; it has its academic counterpart, just as the Orientalism of yesteryears was not merely an academic exercise.

"*The Quran and the West*", one of the first books on the Quran published in the West after the events of Sept 11, 2001 is a case in point. The author, Kenneth Cragg, who "for six decades has been recognized and praised as one of the West's most gifted interpreters of Islam", is pre-occupied with the relevance of the Quran to the events of that day, which he takes for granted as being the work of Muslims who were "inspired by the Quran". While both these premises are doubtful, what is relevant here is the sheer force of these events, leading Western scholars and religious leaders like Cragg to look into the Quran to discover the root of the "inner crisis in the liability of Islam".

In his book, Cragg oscillates between condemning the "harsh belligerence in the Quran, a strong pugnacity on behalf of faith", and what he calls its "gentler side". Despite his counsel to Westerners to respect the Quran and Muslims, Cragg's own highly charged book is filled with overt and covert insults and disparaging remarks. His book is primarily an attempt to sift and separate apart from the Book of Allah portions that he calls the "acceptable Quran" --- the one that has no political content, no theme under the title of Jihad save the jihad *bil-nafs*; a Quran with no role in the shaping of society, for "the political power-exercise only came at all for the briefer Medinan period and had been firmly excluded throughout the defining Meccan years when only the ever prior preaching task was given (to the Prophet)". He does this by making a sharp distinction between the Makkan and Medinan period of the Prophet's life as well Makkan and Medinan